ادب کی اُن سرتاج تحریروں کی کشید جو ہلکے پھلکے
سے بوجھل لمحوں کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہیں!
کرداروں کے مسیحا اور سِرّی ادب کے شہنشاہ
ابنِ صفی کے سحر آفریں قلم سے عمران کا دلچسپ ناول

# تابوت میں چیخ

ابنِ صفی

**بھتیجے** کو دیکھ کر نواب مظفر الملک کے ذہن کو زبردست جھٹکا لگا۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ دو سال میں اتنا بدل جائے گا۔ دو سال پہلے انھوں نے اسے لندن میں دیکھا تھا اور اس کی شائستگی اور ذہانت سے بہت متاثر ہوئے تھے۔

نواب مظفر الملک ان لوگوں میں سے تھے جو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے۔ خود پسندی نے انھیں شادی تک سے باز رکھا تھا اور وہ ساٹھ سال کی عمر میں بھی کنوارے تھے۔ ظفر الملک ان کے مرحوم چھوٹے بھائی کا اکلوتا لڑکا تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں اس کی ماں بھی چل بسی اور نواب مظفر الملک نے اسے متبنیٰ کر لیا لیکن یہ محسوس کرنے کے بعد کہ وہ صحیح طور پر اس کی تعلیم و تربیت نہ کر سکیں گے انھوں نے اسے اپنے ایک ترک دوست کے پاس انگلینڈ بھجوا دیا تھا۔

نواب صاحب جب بھی یورپ کے دورے پر جاتے کچھ دن اس خاندان کے ساتھ بھی گزارتے اور بھتیجے کو دیکھ کر خوش ہوتے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ہر اعتبار سے ان کا وارث بننے کی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ دو سال پہلے بھی وہ اس سے ملے تھے اور ہر طرح ٹھیک پایا تھا۔

لیکن اس وقت اسے ریسیو کرتے وقت وہ بھونچکا ہو کر رہ گئے۔ ظفر الملک نے بہت ہی چست قسم کا لباس پہن رکھا تھا اور اس کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ دور سے لڑکی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا ملازم جمن تھا۔ اس کی تو داڑھی اور مونچھیں بھی بے تحاشا بڑھی ہوئی تھیں اور لباس اس نے بھی ویسا ہی پہن رکھا تھا۔ یہ اس نسل سے تعلق رکھتا تھا جو خاندانوں کی پروردہ کہلاتی ہے۔ بچپن ہی میں اسے بھی ظفر الملک کے ساتھ ہی لندن بھیج دیا گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اسے اس کے خادم خصوصی کی حیثیت حاصل ہو جائے۔

اس کا نام جمن تھا لیکن جب نواب صاحب نے اسے جمن کہہ کر مخاطب کیا تو ناک بھوں سکوڑ کر بولا "مائی نیم از جیمسن یور آنر۔"

"یس انکل ڈیئر ہی از جیمسن...." ظفر نے ٹکڑا لگایا اور نواب صاحب آپے سے باہر ہو گئے۔

"نکل جاؤ تم دونوں میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔"

"وہائی سو، انکل ڈیئر؟" ظفر نے حیرت سے کہا۔

"تم باہر جاؤ۔" نواب صاحب جمن کی طرف دیکھ کر دہاڑے اور جمن کو گریبان جانے تک کی مہلت دیے بغیر دروازے کی طرف دھکیل دیا۔ ظفر ہکا بکا کھڑا تھا۔ جمن کو باہر نکال دینے کے بعد نواب صاحب نے خود ہی دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا اور خونخوار انداز میں ظفر کی طرف مڑے۔

"تو خبیث بن کر میرے سامنے کیوں آیا ہے؟ دو سال پہلے تو ایسا نہیں تھا؟"

"مجھے گہرا صدمہ پہنچا ہے آپ کے اس طرز تخاطب سے۔"

"اب ہیجڑوں ہی کے انداز میں گفتگو کرے گا؟"

"میں نہیں جانتا کہ ہیجڑا کیا چیز ہے۔ میری اردو اتنی زبردست نہیں ہے۔"

"تو نے حلیہ کیا بنا رکھا ہے؟"

"اوہ... آئی ایم جینٹلمین شاکڈ... آدمی اور عام جانوروں میں تو کچھ فرق ہونا ہی چاہیے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں ہپی ہوں۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"آج کی بکواس کل کے لیے نشان راہ بنے گی۔"

"تو کس سے گفتگو کر رہا ہے؟"

"اپنے چچا سے...."

"بدتمیز ہو تم!"

"چچا کو اردو میں پھر کیا کہتے ہیں؟"

"تو تم میرا مذاق اڑانا چاہتے ہو؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی بات کیسے آپ کے ذہن میں اتار دوں؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" نواب صاحب ہاتھ جھٹک کر بولے۔ "تمہیں اس چھت کے نیچے انسانیت کے جامے میں رہنا پڑے گا۔"

"انسانیت کا جامہ...؟" ظفر نے رک رک کر اس طرح دہرایا جیسے بات اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔

"ہاں! انسانیت کا جامہ!" نواب صاحب مٹھیاں بھینچ کر بولے۔

"اوہ آئی سی یو کونسلٹ اے ڈکشنری ناؤ۔" ظفر نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ "نو ڈاؤٹ آئی ایم اے بٹ وِدگرٹ۔ نہیں انکل ڈیئر آپ مجھ سے ایسی شائستگی کی توقع نہیں رکھ سکتے جو عام آدمیوں میں نہ پائی جاتی ہو؟"

"کیا مطلب؟"

"میں عام آدمیوں کی طرح زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ اگر جمن خود کو جیمسن کہتا ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔"

"تو تمہارے متعلق میری توقعات بالکل غلط نکلیں؟"

ظفر انھیں تشویش ناک نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ سر اٹھا کر بولے۔ "اگر تم باقاعدہ طور پر زندگی بسر نہیں کر سکتے تو آج سے میرے لیے صرف ایک اجنبی ہو۔"

"میں نہیں سمجھا؟"

"یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔"

"میں تو آپ کے لیے کچھ کرنے آیا تھا۔"

"تم...؟" نواب صاحب حقارت سے بولے۔ "تم میرے لیے کیا کرو گے؟"

"زرعی اصلاحات نافذ ہو جانے کے بعد آپ کی آمدنی پر برا اثر پڑا ہوگا۔ میں نے کیمسٹری میں ماسٹرس ڈگری لی ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ آپ کے لیے ادویات سازی کا ایک کارخانہ قائم کرتا۔"

"آپ نے غلط اندازہ لگایا مجھ بے چارے کے متعلق؟" نواب صاحب نے بے حد جلے بھنے لہجے میں کہا۔ "میرے پاس اتنی پشتینی دولت موجود ہے کہ آپ جیسے دس گدھے ایک ہزار سال تک عیش کر سکتے ہیں۔"

"اوہ! تب تو کوئی بات نہیں۔ میں خواہ مخواہ پریشان تھا آپ کے لیے۔ اچھا اب اجازت دیجیے۔" ظفر نے کہا اور سفری بیگ میز سے اٹھا کر کاندھے سے لٹکاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

نواب صاحب کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے جن میں غصہ، بے بسی اور کئی طرح کے جذبات کی جھلکیاں پائی جاتی تھیں۔ وہ کچھ نہ بولے۔ جہاں تھے وہیں کھڑے رہے۔ ظفر نے دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔ جمن شاید دروازے ہی سے کان لگائے کھڑا تھا۔ اس کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"چل بے...." ظفر نے اس کی گردن میں ہاتھ دے کر دھکا دیتے ہوئے کہا۔

"بٹ، بٹ مجھے اعتراض ہے جناب۔"

"اعتراض نوٹ کیا گیا... باہر نکل چلو۔"

وہ لان پر نکل آئے اور پھاٹک کی طرف بڑھتے رہے۔

گیٹ سے گزر کر دائیں ہاتھ مڑ جانے کے بعد جمن رک گیا۔

"چوراہے کے آگے والی سڑک کا کیا نام ہے جناب؟" اس نے ظفر سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔"

"پھر اب ہم کہاں تشریف لے جائیں گے؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"کیش کتنا ہے آپ کے پاس؟"

"دس پونڈ۔"

"انھیں تیرہ پوائنٹ دو پانچ سے ضرب دیجیے۔"

"کیوں؟"

"اس طرح ہم ملکی کرنسی میں اپنی مالی حالت کا جائزہ لے سکیں گے۔"

"ہوں!" ظفر کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔

"کل ایک سو تیس روپے پچاس پیسے ہماری گرہ میں ہیں۔" جمن پرتشویش لہجے میں بولا۔

"پرواہ مت کرو میرے پاس کیمسٹری میں ماسٹرس ڈگری ہے۔"

"ڈگری کو ابال کر آپ پئیں گے لیکن میں کیا کروں۔ میرے لیے تو کم از کم ایک پونڈ کولڈ بیف اور ایک روٹی چاہیے۔"

"بکواس بند کرو اور یہ بتاؤ کہ ہم دائیں طرف چوراہے کی طرف بڑھیں یا بائیں جانب والے چوراہے کی جانب؟"

"اس وقت تو ہمارے لیے رائٹ ہی مناسب ہوگا۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"اچھا...!" جمن آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ "یہاں راستے واسطے کی ضرورت پیش نہیں آئی یور ہائی نس؟"

"چلو... بائیں طرف چلو۔"

دونوں اپنے شانوں سے سفری بیگ لٹکائے چل پڑے۔ چوراہے پر پہنچ کر انھیں پھر رکنا پڑا۔

"ہمارے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ کسی ہوٹل میں بھی قیام کر سکیں۔" ظفر بولا۔

"قیام کی ضرورت ہی کیا ہے یور آنر۔ میں نے سنا ہے کہ یہاں لوگ فٹ پاتھوں پر بھی رات بسر کر سکتے ہیں۔ سمپل لیونگ اینڈ ہائی تھنکنگ کے ہم ہمیشہ قائل رہے ہیں۔"

ظفر نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں میں بھی پُرمسرت چمک دکھائی دی۔

"دراصل یہاں ہم اپنے فلسفے کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔" اس نے جھجکتی ہوئی سی آواز میں کہا لیکن جمی کا حلیہ بگڑ گیا۔

اس نے منہ بسور کر کہا: "جیب ہلکی ہو تو فلسفے میں کوئی جان نہیں رہ جاتا یور آنر۔۔۔"

"جیب کی بات نہ کرو۔ میں مرتے ہوئے آلو اُبال کر بھی پیٹ بھر سکتا ہوں۔ مجھے آزادی چاہیئے۔ اس چھت کے نیچے قدم قدم پر پابندیوں سے دوچار ہونا پڑتا۔ انھیں تیرے یکسن ہونے پر بھی اعتراض تھا۔"

"میں تھکنے کا پتہ کہاں کر بھی پیٹ بھر لینا پسند کروں گا یور ہائی نس۔"

"ہل دو لو!" ظفر آہستہ سے بڑبڑایا اور ایک گاڈ دم لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا جو سر سے نیچے کی طرف بتدریج تنگ پتلی ہوتی چلی گئی تھی۔

"کیا خیال ہے؟" وہ جمی کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اپنے ہی قبیلے کی معلوم ہوتی ہے۔"

"ہرگز نہیں، پاجامہ پہنے ہوئے ہے۔" جمی بولا۔

"ایڈیٹ یہاں اسکرٹ نہیں پہنے جاتے، پاجامے ہی کو مختصر کر دیا ہے میرے خیال سے۔"

"پوری ٹانگیں تو ڈھکی ہوئی ہیں، مختصر کہاں سے کر دیا ہے؟"

"بکواس، ہم اسی کے پیچھے چلتے ہیں۔ کسی سے تو یہاں جان پہچان ہونی ہی چاہیئے۔"

"اس کے لیے میں بوڑھے آدمی کو ترجیح دوں گا۔" جمی نے ایک راہگیر کی طرف اشارہ کیا۔

"تم اسی کے پیچھے جاؤ۔" ظفر کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

لڑکی کی رفتار تیز نہیں تھی۔ ظفر جب اس سے صرف دو تین فٹ کے فاصلے پر رہ گیا تو اس نے آہستہ سے سیٹی بجائی۔

لڑکی حیرت انگیز پھرتی سے پلٹی تھی۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے؟" اس نے خونخوار لہجے میں پوچھا۔

"مجھے حیرت ہے آپ کے لہجے پر، کم از کم انگلستان میں تو ایسا نہیں ہوتا۔"

"تم نے غلط سمجھا ہے۔ میں کوئی فلرٹ نہیں ہوں۔"

"تم خواہ مخواہ مجھ پر بگڑ رہی ہو۔ میں سمجھتا نہیں ہوں۔ چند گھنٹے پہلے انگلینڈ سے یہاں پہنچا ہوں لیکن اب کچھ میں نہیں آتا کہ کہاں جاؤں۔"

"بہت ہوٹل ہیں یہاں۔" وہ بڑا سا منہ بنا کر بولی۔

"جیمسن!" ظفر نے مڑ کر جمی کو مخاطب کیا۔

"یس یور آنر!"

"انہیں اپنی مالی پوزیشن کے بارے میں بتاؤ۔"

"ایک سو بیس روپے پچیس پیسے۔"

"اور یہ پونڈ کی شکل میں ہیں۔" ظفر نے لڑکی سے کہا۔

"مجھے دکھاؤ پونڈز۔"

ظفر نے اُسے دس پونڈ کا ایک نوٹ دکھاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں جہاز کے ٹکٹ کا کاؤنٹر فائل بھی دکھا سکتا ہوں۔"

اس نے وہیں کھڑے کھڑے وہ سارے کاغذات دکھانا شروع کر دیئے جن سے اس کے تازہ وارد ہونے کا ثبوت مل سکتا۔

"تو تمہارا یہاں کوئی نہیں ہے؟" لڑکی نے کچھ دیر بعد ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔

"ایک قدامت پسند چچا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اور وہ مجھے برداشت کرنے پر تیار نہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"میں ان کے لیے نقصان دہ بھی نہیں ثابت ہو سکتا کیونکہ میں نے کیمسٹری میں ماسٹرس ڈگری لی ہے۔"

"کیمسٹری میں؟" لڑکی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں کہیں بیٹھ کر گفتگو کرنی چاہیئے۔"

"کہاں بیٹھیں، میں یہاں اجنبی ہوں۔ نہیں جانتا کہ کہاں کھانا رہتا ہے اور کہاں بیٹھ جانا چاہیئے؟"

لڑکی نے اُسے غور سے دیکھا اور بولی: "میرے ساتھ آؤ۔"

جمی نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی اور جیب سے ڈراپ نکال کر منہ میں ڈال لیا۔

لڑکی انہیں ایک ریستوران میں لائی۔ وہ بیٹھ گئے۔ جمی احمقانہ انداز میں ریستوران کے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کیمسٹری کی ڈگری کہاں کی ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"آکسفورڈ کی ہے۔"

لڑکی کچھ سوچنے لگی پھر بولی: "ایک صاحب ہیں میری جان پہچان کے، لیکن میں نے ایکدم سے اس قسم کی گفتگو کیوں شروع کر دی؟"

"ہمارا فلسفہ کہتا ہے آدمی کو آدمی سے تکلف نہ کرنا چاہیئے۔ جانور اس وقت تک نہیں ملتے جب تک کہ ان کا آپس میں تعارف نہ ہو۔"

لڑکی ملاوٹ زدہ انداز میں مسکرا کر بولی: "میرا نام آسودہ بانو ہے۔"

"میں ظفر الملک ہوں۔۔۔ یہ جیمسن۔۔۔"

جمی نے اس طرح لڑکی کی طرف دیکھا جیسے اُسے منہ چڑا رہا ہو۔ لڑکی پھر جلدی سے ظفر ہی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"بہرحال!" وہ طویل سانس لے کر بولی: "میرے ایک شناسا کو ایک ایسے ہی کی ضرورت ہے۔"

"کیا کرنا پڑے گا؟" ظفر نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کسی دوا ساز کمپنی کے ڈائریکٹر ہیں۔ ہو سکتا ہے تمہیں لیب میں کام کرنا پڑے۔"

"میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔"

لڑکی نے جمی کی طرف دیکھا۔

"جو کچھ یہ کرتے ہیں اس میں دخل نہیں دے سکتا۔" جمی بولا۔

ناشتہ کر کے وہ اس لڑکی کے ساتھ روانہ ہو گئے تھے۔

سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کی مشکل اتنی جلدی آسان ہو جائے گی۔

لڑکی نے انہیں ایک آدمی سے ملایا تھا اور اس نے تھوڑی دیر تک مختلف قسم کی پوچھ گچھ کرنے کے بعد پروانہ تقرری ظفر الملک کے حوالے کر دیا تھا۔

اُسے جلد سے جلد سردار گڑھ جانا تھا۔ اس آدمی کے بیان کے مطابق دوا ساز کمپنی کا کارخانہ وہیں تھا۔

گاڑی میدانوں سے گزر کر پہاڑی علاقے میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ دونوں سیکنڈ کلاس میں سفر کر رہے تھے۔

"وہ لڑکی آسمان سے اُتری تھی۔" جمی بولا۔

"ہر لڑکی آسمان ہی سے اُترتی ہے اور زمین پر پاؤں نہیں رکھتی۔" ظفر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"یہاں کی آب و ہوا نے آپ پر خاصا اثر ڈالا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ایسی باتیں کرنے لگے ہیں جو کم از کم میری سمجھ میں تو نہیں آتیں۔"

کمپارٹمنٹ میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ سردیاں شروع ہو چکی تھیں اس لیے سردار گڑھ کے مسافر کم ہی ہوتے تھے۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور سرد ہوا لباسوں سے گزر کر کھال میں پیوست ہوتی محسوس ہونے لگی تھی۔ جمی نے اوور کوٹ کا کالر کانوں تک اٹھا لیا تھا اور کبھی کبھی کسی عمر رسیدہ خشکی کے کچھوے کی طرح گردن اُبھار کر خالی کمپارٹمنٹ کا جائزہ لینے لگتا تھا۔

دفعتاً گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی اور آخر کار وہ ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رک گئی۔ ساتھ ہی کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر گھس آیا۔ کچھ بوکھلایا ہوا سا معلوم ہوتا تھا۔ ظفر اور جمی نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ آنے والا اجنبی تھا۔ نیلے سوٹ پر زرد قمیص پہن رکھی تھی اور گلے میں سرخ رنگ کی ٹائی لہرا رہی تھی۔ فیلٹ ہیٹ میں سرخ گلاب لگا رکھا تھا۔ صورت سے پرلے درجے کا احمق معلوم ہوتا تھا۔ ویسے خد و خال دلکش تھے۔

وہ سامنے والی سیٹ پر بیٹھ کر ان دونوں کو احمقانہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"پہچاننے کی کوشش کر رہے ہو؟" ظفر مسکرا کر بولا۔

اس نے احمقانہ انداز میں اپنے سر کو منفی جنبش دی۔

"پھر اس طرح کیوں گھور رہے ہو؟"

"میں سوچ رہا ہوں۔" نووارد بولا۔ "اگر میرے بال بھی تمہاری ہی طرح ہوتے تو کیسا لگتا؟"

"فائن!" ظفر مسکرایا۔ "تمہاری ٹوپی مجھے پسند آئی۔ بڑے سلیقے سے پھول لگائے ہیں اور مجھے کہنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں کہ اس ملک میں ابھی تک صرف تم ہی نظر آئے ہو۔"

"اور جناب کا کس ملک سے تعلق ہے؟" نووارد نے پوچھا۔

"تعلق تو اسی ملک سے ہے لیکن بچپن ہی سے لاتعلق رہ کر دوبارہ منتقل ہوا ہوں۔"

"ماشاء اللہ!" نووارد نے جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر پیش کرتے ہوئے کہا۔

"او ہو تم تو اپنے ہی قبیلے سے معلوم ہوتے ہو۔ آئی ایم اے ہپی۔" ظفر نے چیونگم کا پیکٹ اس کی ہتھیلی سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"وی آر آل ہپیز!" اجنبی نے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا کر احمقانہ انداز میں قہقہہ لگایا پھر بڑی تیزی سے اُٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔ ظفر بھی بوکھلا کر اُٹھ گیا تھا۔

نووارد بڑے والہانہ انداز میں اس سے بغلگیر ہو گیا اور آہستہ سے اس کے کان میں بولا: "تم میرے لباس کو پسندیدہ نظروں سے دیکھ رہے ہو؟"

"یہ حقیقت ہے۔"

"ارے چلو تو بدل لیں۔"

ظفر اسے حیرت سے گھورنے لگا۔ گاڑی دیر ہوئی حرکت میں آ کر رفتار پکڑ چکی تھی۔

"تم میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟" اجنبی جھک کر بولا۔ "ڈی آر جلیبیز، میرا سب کچھ تمہارا ہے اور تمہارا سب کچھ میرا۔ ہم دُنیا کو خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم امن کے پیامبر ہیں۔ ہم جنگ سے نفرت کرتے ہیں۔ ہمارا پیغام محبت ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ ظفر کا ہاتھ پکڑ کر غسل خانے کی طرف کھینچنے لگا۔

"بس!" جمن اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ کی تعریف؟" اجنبی اس کا ہاتھ چھوڑ کر جمن کی طرف مڑا۔

"میرا ساتھی۔"

اجنبی جھپٹ کر جمن سے بھی نہ صرف بغلگیر ہو گیا بلکہ اس کی بے ترتیب داڑھی کو دو تین بوسے بھی دیے۔

"مسٹر مسٹر..." جمن ناگواری سے بولا۔

"برادر کم برادر۔" اجنبی نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔ اور پھر ظفر کا ہاتھ پکڑ کر غسل خانے کی طرف لے جانے لگا۔

"آپ چاہتے کیا ہیں جناب؟" جمن نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں ان سے لباس تبدیل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے یہی پسند ہے۔"

"ارے اس کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو یوں ہی..." ظفر نے جملہ پورا نہیں کیا۔

"نہیں میرے دوست؟" اجنبی بولا۔ "انکار کر کے تم ایک اجنبی کا دل توڑو گے۔"

"اچھا... اچھا!" ظفر مسکرایا۔

"ایک بات..." جمن بولا۔ "باس ذرا میری ایک بات الگ سُن لو۔"

"ضرور... ضرور!" اجنبی ان کے درمیان سے ہٹ گیا۔

جمن نے ظفر کو کمپارٹمنٹ کے دوسرے سرے پر لے جا کر آہستہ سے کہا۔ "رقم نکال کر مجھے دیتے جائیے ورنہ لباس کے ساتھ رقم بھی جائے گی۔ ہم نہیں جانتے کہ یہاں کے لوگ کیسے ہیں۔"

"اچھا... اچھا!" ظفر نے جیب سے پرس نکال کر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "دراصل مجھے ایک کوٹ کی ضرورت ہے۔ سردی بڑھ گئی ہے۔ تمہارے پاس تو اوور کوٹ ہے۔ میں صرف قمیص میں ہوں۔"

پھر دس منٹ کے اندر ہی اندر انھوں نے آپس میں اپنے لباس بدل لیے تھے۔

"بیوٹی فل!" اجنبی اُسے نیچے سے اُوپر تک دیکھتا ہُوا اچھل پڑا۔

"چارمنگ!" جمن داڑھی میں کھجاتا ہوا بولا۔

"پرنس چارمنگ کہو!" ظفر نے قہقہہ لگایا۔

"اب ہم اطمینان سے گفتگو کریں گے۔" اجنبی بیٹھتا ہوا بولا۔

"میں سردار گڑھ جا رہا ہوں۔" ظفر نے کہا اور اپنی کہانی شروع کر دی۔ اجنبی کے چہرے پر کبھی اتفاقاً حیرت کے آثار نظر آتے اور کبھی وہ بے حد مغموم دکھائی دینے لگتا۔

ظفر کے خاموش ہوتے ہی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"تمہاری داستان بڑی پُردرد ہے۔ ایسے بے درد چچا کو دُور سے سلام! اللہ کی قدرت ہے کہ اجنبی لڑکیاں تو والد صاحب ثابت ہوں اور سگا چچا ایسی نااتفاقی پر اتر آئے۔"

ظفر کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا عجیب دلیس ہے۔ دو ہستیوں سے تفصیلی ملاقات ہوئی اور دونوں ہی عجیب ثابت ہوئیں۔ ایک وہ لڑکی تھی جس نے سردار صاحب کا انتظام کر دیا اور دوسرا یہ جو زبردستی اپنا قیمتی لباس اس کی معمولی قمیص اور پتلون کے عوض حوالے کر چکا ہے۔

کچھ دیر بعد گاڑی کی رفتار پھر سست ہونے لگی اور اجنبی اٹھ کھڑا ہوا۔ ظفر نے اس طرح اٹھ جانے کی وجہ پوچھی۔

"بس خدا حافظ!" اجنبی نے مغموم لہجے میں کہا۔ "اسی اسٹیشن پر اترنا ہے مجھے۔"

ظفر فیصلہ نہ کر سکا کہ اس موقع پر کس قسم کے خیالات کا اظہار کرنا چاہیئے۔

گاڑی رکی اور اجنبی تیزی سے نیچے اتر گیا۔

ظفر نے شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "عجیب آدمی تھا۔"

جمن پتا نہیں کیوں بُرا سا منہ بنائے بیٹھا تھا۔

ان چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر ٹرین ایک منٹ سے زیادہ نہیں رکتی تھی۔

ظفر نے دفعتاً محسوس کیا کہ جمن اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

"کیا بات ہے؟" اس نے اُسے گھور کر پوچھا۔

"بڑے خوب صورت لگتے ہیں اس ٹوپی میں!" جمن مسکرا کر بولا۔ "سرخ گلاب بڑے جاندار ہیں۔"

ظفر نے فلٹ ہیٹ کے گلگوشے کو چھوتے ہوئے کچھ کہنا چاہا تھا کہ پشت سے نسوانی آواز آئی۔ "اوہ تو تم یہاں آ پہنچے ہو ظالم!"

ساتھ ہی گاڑی بھی حرکت میں آ گئی۔ ظفر چونک کر مڑا۔ ایک بڑی خوب صورت سی لڑکی دروازے کے قریب کھڑی تھی۔ ظفر کے مڑتے ہی بُری طرح چونکی اور پھر اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ "معاف کیجیے گا۔ مجھے دھوکا ہوا۔ میرا ساتھی بالکل ایسے ہی لباس میں تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔ بیٹھ جائیے!" ظفر نے سامنے والی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اسے گھورتی ہوئی سامنے آ بیٹھی۔ جمن ایک آنکھ بند کیے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس لڑکی کو دیکھ کر اس کی داڑھی کچھ اور زیادہ گنجان ہو گئی ہو۔

"آپ دونوں ساتھ ہی سفر کر رہے تھے؟" ظفر نے لڑکی سے پوچھا۔

"جی ہاں!" لڑکی نے جواب دیا۔

"کیا وہ آپ سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا؟"

"میرا خیال یہی ہے۔"

"تب تو میرا خیال ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا؟"

"کیا مطلب؟"

"پچھلے اسٹیشن پر وہ یہاں آیا تھا اور اِسی اسٹیشن پر اُتر گیا۔ اتنی سی دیر میں مجھ سے اس حد تک بے تکلف ہوا کہ میرے لباس سے اپنا لباس بدل کر چلتا بنا۔ میں نے اس کے لباس کی تھوڑی سی تعریف کر دی تھی۔"

"اوہ!" لڑکی ہاتھ ملتی ہوئی مضطربانہ انداز میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔

"آپ کچھ مغموم نظر آ رہی ہیں؟" ظفر بولا۔

"اب گاڑی سردار گڑھ ہی میں رکے گی۔" لڑکی نے کہا۔ شاید وہ اس موضوع پر گفتگو کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں؟"

"جی نہیں شکریہ!" لڑکی نے ترشی سے کہا۔

"آپ یقین کیجیے۔ وہ میرے لیے بالکل اجنبی تھا۔"

"ہوں... ہوں۔" لڑکی نے سر کو جنبش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر دفعتاً ظفر بولا۔ "آپ واقعی مغموم ہیں اس واقعے پر؟"

"براہ کرم خاموش رہیے۔ مجھے آپ سے جان پہچان پیدا کرنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔"

جمن نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا اور پھر ظفر کی طرف دیکھنے لگا۔ ظفر کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار تھے۔

اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "یہ پہلا دن ہی عجیب ہے۔"

"کیا مطلب؟" لڑکی چونک کر اسے گھورنے لگی۔

"صرف تمہارے رویے میں مجھے محبت نہیں ملی ورنہ ابھی تک یہاں کے لوگوں نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔"

"یہاں کے لوگوں سے کیا مطلب! کیا آپ یہاں کے نہیں ہیں؟"

"بس ختم کیجیے۔ مجھے ضرورت ہی کیا ہے کہ آپ کو اپنے بارے میں کچھ بتاؤں؟" اس نے کہا اور جمن سے فرانسیسی میں بولا۔ "اس لڑکی کو اس طرح نہ گھورو۔ تو خوار معلوم ہوتی ہے۔"

"مجھے غلط نہ سمجھو باس! میں تو تمہاری سلامتی کے لیے اُسے گھور رہا ہوں۔"

لڑکی انھیں حیرت سے دیکھتی رہی۔

ٹرین اندھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

ظفر نے اپنے تھیلے سے ماؤتھ آرگن نکالا اور بجانے لگا۔ پھر ان کے درمیان کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی تھی اور وہ سردار گڑھ پہنچ گئے تھے۔

لڑکی ان سے پہلے اتر گئی۔ ظفر نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے شانے سکوڑے اور پھر جمن کی طرف دیکھنے لگا۔

"جلدی کیجیے!" جمن بولا۔ "ان اسٹیشنوں پر زیادہ دیر گاڑی نہیں ٹھہرتی۔"

دونوں نے اپنے تھیلے اٹھا کر کاندھوں پر ڈالے اور پلیٹ فارم پر اتر گئے۔ ظفر پھر ماؤتھ آرگن بجانے لگا تھا اور بجاتا ہوا ہی گیٹ سے بھی گزرا۔ باہر شیڈ میں پہنچنے کے بعد سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔

اتنے میں ایک رکشے والا قریب آ کر بولا کہ وہ انھیں بڑے آرام سے ان کی منزل مقصود تک پہنچا دے گا۔

ظفر نے جگہ کا نام لیا لیکن جب وہ ہاتھوں سے کھینچے جانے والا رکشا قریب لایا تو ظفر پیچھے ہٹ گیا۔

"بیٹھو ساب!" رکشا والا بولا۔

"میں ہرگز نہیں بیٹھوں گا۔"

"کیوں ساب؟"

"میرے ہی جیسا ایک آدمی مجھے کھینچتا پھرے۔ ہرگز نہیں۔"

"ارے ساب اگر سب یہ سوچے تو ہم بھوکا مر جائے۔"

"کچھ بھی ہو!"

"میرا خیال ہے کہ یہاں اس سواری کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے؟" جمی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر بدقت تمام یہ طے پایا تھا کہ رکشے والا پیدل [illegible] کرے اور وہ اسے اس کی پوری اجرت دیں گے۔

جہاں انھیں جانا تھا وہ جگہ اسٹیشن سے بہت دور پڑ جاتی تھی۔

جمی ہانپنے لگا تھا اور اس نے انسانیت اور انسان داری کے رجحانات کو لاکھوں سلواتیں سنائی تھیں۔

رکشے والا انھیں ایک بڑی عمارت کے سامنے چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔ سلاخوں دار پھاٹک پر ایک آدمی موجود تھا۔ اس نے مسٹر میوری تک ان کی رہنمائی کی۔ وہ ایک جسیم اور تنومند غیر ملکی تھا۔ شاید آدھی رات گئے چھیڑے جانے پر اس کے چہرے کی خشونت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

ظفر نے اسے وہ سفارشی خط دیا جو ایک لڑکی نے اپنے کسی شناسا سے دلوایا تھا۔

مسٹر میوری نے اس خط کو خشمگیں نظروں سے پڑھ کر سوال کیا۔

"کیا تم کل صبح نہیں آ سکتے تھے؟"

"رات کہاں گزارتے؟"

"یہاں متعدد ہوٹل موجود ہیں۔"

"اگر مالی حالت اجازت نہ دے تو ان کا [illegible]؟"

"ہوں!" وہ اسے تیز نظروں سے گھورتا ہوا غرایا۔ چند لمحے اسی طرح گھورتا رہا پھر بولا: "تمہاری وضع قطع مجھے پسند نہیں آئی۔"

"میں کام کرنے آیا ہوں، شو کیس کی زینت بننے کے لیے نہیں۔"

ٹھیک اسی وقت ایک لڑکی کمرے میں داخل ہوئی اور ظفر اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

یہ تو وہی لڑکی تھی جس سے کچھ دیر پہلے ٹرین پر مڈبھیڑ ہوئی تھی۔

"یہ وہی آدمی ہے جس کا تذکرہ میں نے آپ سے کیا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مجھے اس پر اس کا دھوکا ہوا تھا۔ کیا آپ نے ابھی تک اس کے لباس پر غور نہیں کیا؟"

میوری کی بھویں سکڑ گئی تھیں اور وہ ظفر کو کسی شکاری کتے کی طرح گھورے جا رہا تھا۔

"تم دونوں بچ کر نہیں جا سکتے۔" وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔

"لگ... کیا مطلب؟" جمی ہکلایا۔

"انھیں پکڑ لو۔" دفعتاً میوری کی دہاڑ سنائی دی اور چار آدمی مختلف دروازوں سے نکل کر ان کی طرف جھپٹے۔ ان دونوں کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ ایسے کبھی تجربات ہی نہیں پہلے پڑے تھے۔

وہ جکڑ لیے گئے۔ میوری نے ان کے ہاتھ پشت پر بندھوا دیے تھے۔

"اب بتاؤ۔" وہ انھیں حقارت سے دیکھتا ہوا بولا۔

"میں کیا بتاؤں؟" ظفر بھی آپے سے باہر ہوتا ہوا بولا۔

"تم بتاؤ کہ تم نے سب سے پہلے ہوش مندی کا جامہ کیوں اتار پھینکا ہے؟"

"تم نے اس سے اپنا لباس کیوں تبدیل کیا تھا؟" میوری نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ اسی کی پیشکش تھی۔ میں نے تو صرف اس کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔"

"تم ابھی اپنی بات اگل دو گے۔ اگلوانا میرا محبوب مشغلہ ہے۔"

"ل... لیکن باس..." لڑکی بولی۔ "آپ کو ان دو آدمیوں کی آمد کی اطلاع پہلے مل چکی تھی۔"

"یہ سب کچھ ممکن ہے۔ ان لوگوں کا پلان پیچیدہ بھی ہو سکتا ہے۔" میوری نے ظفر کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے کہا۔

دفعتاً جمی نے فرانسیسی میں ظفر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "دماغ ٹھنڈا رکھو پتا نہیں یہ کیا چکر ہے؟"

ظفر نے بھی فرانسیسی ہی میں جواب دیا: "میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن مجھے تجھ سے شکوہ ہے۔ میں کبھی تیری داڑھی کے حق میں نہیں رہا۔ لوگ خواہ مخواہ شک کرتے ہیں۔ داڑھی جوگیوں کا نشان ہے، ایک جینٹس کے لیے ضروری نہیں۔"

"او ہو... تم فلسفے کی طرف جا رہے ہو باس اور یہاں مارے خوشی کے میرا پیشاب خطا ہونے والا ہے۔"

"روکو... اسے روکو ورنہ یہاں ان خاتون کے سامنے بہت شرمندہ ہونا پڑے گا۔"

"تم لوگ کیا بکواس کر رہے ہو؟" دفعتاً میوری بھی فرانسیسی ہی میں گرجا۔

# ٹینڈر نوٹس

سال ۸۹-۱۹۸۸ء کے درج ذیل کاموں کی تکمیل کے لیے زیڈ ایم سی (ایسٹ) کے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے سربمہر ٹینڈرز مطلوب ہیں۔

| نمبر شمار | کام کی تفصیل | تخمینی لاگت | ٹینڈر ڈپازٹ | قیمت ٹینڈر |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | لیاری پلے گراؤنڈ، زیڈ ایم سی (ساؤتھ) کی لیولنگ اور ڈریسنگ۔ | ۱۲,۷۵۲/= | ۲۵۵/= | ۶۰/= |
| ۲ | باسکٹ بال کورٹ، آرام باغ کے فلیگز کے لیے جی آئی پائپ کی پی/ ایف۔ | ۱۰,۲۸۲/= | ۲۰۶/= | ۶۰/= |
| ۳ | میر محمد بلوچ پارک۔ کم۔ پلے گراؤنڈ، زیڈ ایم سی (ایسٹ) کی امپرومنٹ۔ | ۱۴,۱۲۱/= | ۲۸۳/= | ۶۰/= |
| ۴ | اعظم بستی۔ یونین کونسل ۴۳، زیڈ ایم سی (ایسٹ) پلے گراؤنڈ کی لیولنگ اور ڈریسنگ۔ | ۴۰,۴۰۳/= | ۸۰۹/= | ۱۰۰/= |
| ۵ | عثمان آباد پلے گراؤنڈ، زیڈ ایم سی (ساؤتھ) کی مرمت۔ | ۳۷,۷۶۲/= | ۷۵۵/= | ۱۰۰/= |

ٹینڈر دستاویزات زیڈ ایم سی (ساؤتھ) کے کسی منظور شدہ بینک سے بنے ہوئے پے آرڈر، بطور ٹینڈر قیمت (ناقابل واپسی) ادا کر کے کسی بھی کام کے دن دفتری اوقات میں دفتر ہارٹیکلچرسٹ، زیڈ ایم سی (ساؤتھ) اندرون زولوجیکل گارڈن، نشتر روڈ کراچی سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

ٹینڈر صرف ان ٹھیکیداروں کو جاری کیے جائیں گے جو ہر کام کے لیے زیڈ ایم سی (ساؤتھ) کے حق میں دو فیصد زر ضمانت جمع کرائیں گے۔

ٹینڈرز ۱۸ جنوری ۱۹۸۹ء کو دن کے ساڑھے گیارہ بجے سے قبل دفتر ہارٹیکلچرسٹ، زیڈ ایم سی (ساؤتھ) واقع اندرون زولوجیکل گارڈن، نشتر روڈ کراچی کے سامنے نصب ٹینڈر باکس میں ڈالنے ہوں گے جو حاضری کے خواہش مند ٹھیکیداروں کے روبرو کھولے جائیں گے۔

ٹینڈر جو مقررہ وقت اور تاریخ کے بعد موصول ہوں گے شامل نہیں کیے جائیں گے اور نہ ہی گھڑی میں فرق کا کوئی الاؤنس دیا جائے گا۔

ہارٹیکلچرسٹ زیڈ ایم سی (ساؤتھ) بغیر کوئی وجہ بتائے کسی ایک یا تمام ٹینڈروں کو منظور یا مسترد کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔

زیڈ ایم سی (ساؤتھ) ۸۹/۱
انفارمیشن/کراچی۔ ۷۹

**ہارٹیکلچرسٹ**
زیڈ۔ ایم۔ سی (ساؤتھ) کراچی

"اب ہم اطالوی میں گفتگو کریں گے۔" ظفر نے مسکرا کر اس سے کہا۔

"چمڑے کے چابکوں سے تمہاری کھال ادھیڑ دی جائے گی۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"یہی بات اگل دو۔"

"تم میرے کاغذات دیکھ سکتے ہو۔ میرے بیگ میں تمہیں مل جائیں گے۔ ہر طرح سے اطمینان کر لو۔"

"کون سا بیگ ہے تمہارا؟"

ظفر نے فرش پر پڑے ہوئے بیگوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا۔ میوری نے خود ہی آگے بڑھ کر اسے اٹھایا تھا اور میز پر الٹ دیا تھا۔ اس دیکھ بھال میں دس منٹ گزر گئے۔ ظفر اور جمن اسی طرح کھڑے رہے۔

میوری نے کاغذات ایک طرف رکھ کر طویل سانس لیا اور ان کی طرف دیکھ کر بولا: "کاغذات درست معلوم ہوتے ہیں۔ اور میں ہوائی کمپنی سے بھی تصدیق کر سکتا ہوں۔"

"جلدی سے کر لو۔" جمن تیزی سے بولا۔ "اب بھوک لگ رہی ہے۔ ہم سمجھے تھے کہ تم لوگ مہمان نوازی کا ثبوت دو گے۔ ۔۔۔ لیکن ۔۔۔!"

"خاموش رہو۔" میوری ہاتھ اٹھا کر غرایا اور لڑکی کی طرف مڑ گیا۔

"وہ کس اسٹیشن پر تمہارے ہاتھ سے نکل گیا تھا؟"

"ہمر کنڈی اسٹیشن پر۔"

"تنہا تھا؟"

میوری ان دونوں کی طرف مڑ کر پھر ظفر کو گھورنے لگا۔

"عمران سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"کس سے؟"

"علی عمران سے۔"

"میرے لیے یہ نام بالکل نیا ہے۔"

"تم اتنے گدھے تو نہیں معلوم ہوتے کہ دو منٹ کی ملاقات میں کسی سے اپنے کپڑے بدل لو۔"

"لیکن وہ تو بالکل گدھا تھا۔ عقل مندی مجھ سے سرزد ہوئی تھی۔ میں ایک سوتی قمیص اور پتلون میں تھا۔ یہ گرم سوٹ ہے اور ٹوپی تو بالکل ہی مفت پڑی ہے۔"

"دراصل تم احمق ہو۔" میوری لڑکی کی طرف مڑ کر دہاڑا۔

"م ۔۔۔ میں ۔۔۔ کیوں ۔۔۔ باس ۔۔۔!"

"اس لیے کہ تم اُسے بہلائے رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اُسے تم پر شبہ ہو گیا اور وہ دوسروں کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی تمہیں جُل دے کر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔"

لڑکی ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

"ان دونوں کے ہاتھ کھول دو۔" میوری نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

ان دونوں کے ہاتھ کھول دیے گئے۔ جمن اپنی کلائیاں دبا دبا کر سیدھی کرتا رہا۔

"مسٹر میوری!" ظفر بولا۔ "تو اب ملے گی؟"

"فی الحال مجھے دیکھنا پڑے گا۔ تمہارے قیام کا بندوبست ایک ہوٹل میں کیا جا رہا ہے۔ کام شروع کرنے سے پہلے تمہیں کچھ دن آرام تو کرنا ہی چاہیے۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہماری مالی حالت اس قابل نہیں۔"

"اخراجات ہماری فرم برداشت کرے گی۔ باہر گاڑی موجود ہے۔ میرا آدمی ساتھ جائے گا اور تمہارے قیام کا انتظام کر دے گا۔"

"میں یقین نہیں کر سکتا۔ یہ پاگلوں کا دیس ہے۔" جمن اپنی بے ترتیب داڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں نے لندن کے ہوائی اڈے سے کوئی خواب شروع کیا ہو اور جو اب تک جاری ہو۔"

"پتا نہیں تم کیا محسوس کر رہے ہو؟"

"انھیں تو شیخ جی کی کہانی کے چاند نہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے لیکن انھوں نے قریب دیکھتے ہی دونوں کو گھر سے باہر کر دیا۔ پھر ایک رحم دل لڑکی ملی جس نے ملازمت کا انتظام کر دیا، پھر ایک فرشتہ ملا جس نے سوتی لباس اتروا کر اپنا گرم سوٹ پہنا دیا اور آخرکار تم نے ایسا برتاؤ کیا جیسے ہم تمہارے مکان پر ڈاکا ڈالنا چاہتے ہوں۔"

"ختم کرو۔" میوری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے حالات کا اندازہ ہے۔"

دوسری صبح وہ ریناڈ میں ناشتہ کرتے وقت بے حد خوش نظر آ رہے تھے۔ یہ سرد گرامہ کے اچھے ہوٹلوں میں سے تھا۔ پچھلی رات انہیں ان کے قیام کا انتظام ہو گیا تھا اور وہ اخراجات کی طرف سے بے نیاز ہو کر خوش خوراکی کا ثبوت دیتے رہے تھے۔ جمن کا خیال تھا کہ یا تو وہ دونوں خود ہی پاگل ہو گئے ہیں یا پھر یہ پاگلوں کی سرزمین ہے۔ جو بھی ملتا ہے الوکھا۔ البتہ ظفر کی پیشانی پر شکن تک نہیں تھی۔

"اگر پاگل پن خطرناک نہ ہو تو دلچسپ ہوتا ہے۔" ظفر نے کہا۔

"یعنی ۔۔۔ یعنی ۔۔۔ آپ کے ذہن پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ہے ان حالات کے تحت ۔۔۔"

"ہر قسم کے حالات اسی زمین پر اور اسی آسمان کے نیچے جنم لیتے ہیں لہٰذا کسی پر حیرت ظاہر کرنا یا کسی سے بد دل ہو جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔"

"تو پھر ہمیں کیا سوچنا چاہیے؟"

"یہی کہ آنے والا لمحہ بھی ہمارے لیے دلچسپی کا ہونا چاہیے۔"

"تب تو مجھے یقین ہے۔" جمن ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "آپ زندگی بھر شادی نہ کریں گے۔"

"کیا مطلب؟ اب یہاں شادی کا کیا تذکرہ؟"

"لینگویج پلیز ۔۔۔ مجھے آپ پر اعتراض ہے۔"

"سوری ۔۔۔ اسے واپس لیتا ہوں۔ ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا مسٹر جیمسن کہ آپ کو ان حالات میں میرے شادی کرنے یا نہ کرنے کا خیال کیوں آیا؟"

"میں نے سنا ہے کہ یہاں اس ملک میں عورت اور مرد شادی کے بغیر ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔"

"مجھے بھی یہی اطلاع ملی تھی۔" ظفر نے کہا اور پھر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

انھوں نے پورا دن بستروں پر پڑے رہ کر گزار دیا اور شام کو جمن نے مشورہ دیا کہ انھیں کچھ اپنی وضع قطع بدل دینی چاہیے۔

"کیوں؟" ظفر ہنس کر بولا۔

"مسٹر میوری بھی چاہتے ہیں۔"

"مسٹر میوری کو ہماری ذاتیات سے کیا غرض؟"

"جناب عالی! اگر آپ لندن میں بھی ملازمت کرنا چاہتے تو وضع قطع بدلنے کا مسئلہ وہاں بھی درپیش ہوتا۔"

"ہوں ۔۔۔" ظفر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تو مجھے اپنے چہرے کا جنگل بھی صاف کرانا پڑے گا۔"

"یقیناً جناب ۔۔۔ جب حالات یہ ہوں کہ داڑھی والے پکڑے جائیں مونچھ والوں کی خطا پر تب تو اس کا نہ رہنا ہی بہتر ہو گا۔"

وہ ایک اصلاح ساز کی دکان پر پہنچے تھے اور جمن کی داڑھی صاف ہو گئی تھی۔ ظفر نے اس کے گالوں پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "کاش میں تمہیں اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے کی اجازت دے سکتا!"

ظفر کے بالوں کی درستگی میں خاصا وقت صرف ہوا اور وہ تقریباً نو بجے تک ریناڈ واپس پہنچ سکے۔ ڈائننگ ہال سے گزرتے وقت ظفر کے پیر ٹھٹک گئے۔

"جمن!" وہ تیزی سے جمن کی طرف مڑا۔

"جیمسن جناب عالی!"

"جیمسن کے بچے وہ دیکھو۔"

"لینگویج پلیز۔"

"اچھا ۔۔۔ اچھا ۔۔۔ وہ دیکھو سامنے۔" ظفر نے ایک سمت اشارہ کیا اور جمن بھی جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

ایک میز پر وہی آدمی نظر آیا جس نے پچھلی رات ٹرین پر ظفر سے لباس کا تبادلہ کیا تھا۔ اس وقت وہ خاصا دلکش نظر آ رہا تھا۔ اس کے سامنے میز پر کافی کریم کے بہت سے کپ رکھے ہوئے تھے اور وہ خود ایک چھوٹی سی بلوری نلکی سے فضا میں صابن کے بلبلے اڑا رہا تھا۔

چہرے پر حماقت آمیز معصومیت دور سے بھی نظر آ سکتی تھی۔

ظفر اس میز کی طرف بڑھا ہی تھا کہ جمن نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"دیکھیے، آپ پھر غلطی کرنے جا رہے ہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"ہمیں اب ان کے ساتھ نہ پایا جانا چاہیے۔"

"میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ قصہ کیا ہے؟"

"جناب عالی ہوش میں رہیے۔"

"تم گدھے ہو۔"

"مجھے آپ کے طرزِ تخاطب پر اعتراض ہے؟"

"جہنم میں جاؤ۔"

ظفر اس سے بازو چھڑا کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

جمن کے چہرے پر جھنجھلاہٹ نظر آئی اور وہ بے پروائی کے اظہار میں شانوں کو جنبش دے کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔

ظفر بڑی متانت کے ساتھ چلتا ہوا اس میز تک آیا جہاں پائپ سے صابن کے بلبلے اُڑائے جا رہے تھے۔ وہ احمق اس طرح اس شغل میں الجھا ہوا تھا کہ اس نے ظفر کی طرف توجہ تک نہ دی۔

ظفر بڑے اطمینان سے سامنے والی کرسی پر دھڑ سے بیٹھ گیا بلکہ آئس کریم کے پیالوں کا بانظر احتساب جائزہ لینا بھی شروع کر دیا۔ ایک پیالے سے تھوڑی سی چکھی اور چمچہ اس میں ڈال کر دوسرے پیالے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

خوبرو احمق بدستور بلبلے اڑا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ظفر کی طرف کن انکھیوں سے دیکھ کر آہستہ سے پوچھا۔

"بھیڑ کے دودھ کی ہے نا؟"

"اوں... ہوں..." ظفر نے دوسرے پیالے سے پلکو کر اپنے سر کو منفی جنبش دی پھر احمق کی طرف دیکھ کر کچھ سوچتا ہوا بولا: "گلہری کا دودھ ہو سکتا ہے۔"

"میں تم سے متفق نہیں ہوں میرے دوست! یہ سو فیصد بھیڑ کا دودھ ہے۔ میں آئس کریم کا اتھارٹی ہوں۔ ڈاکٹر فرام یونیورسٹی آف نبراسکا۔"

دفعتاً ظفر نے زور سے میز پر ہاتھ مارا اور خوبرو احمق اچھل پڑا۔

"تب تو بھیڑ کے دودھ کی نہیں ہو سکتی!" اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں؟" ظفر کا لہجہ تلخ تھا۔

"کنفیوشس کا قول ہے کہ پہلے خود کو پہچان پھر سسرال والوں کو پہچاننے کی کوشش کر۔ میاں تمہارا نمبر تو بہت دیر میں آئے گا۔"

"باتوں میں اُڑانے کی کوشش نہ کرو۔ میں وہی ہوں جس سے پچھلی شام تم نے ٹرین پر لباس تبدیل کیا تھا۔"

"کنفیوشس نے یہ بھی کہا ہے کہ نیکی کر اور بھول جاؤ لہٰذا اب مجھے کچھ بھی یاد نہیں۔"

"میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ لوگ محض تمہاری وجہ سے ہم دونوں پر تشدد کر بیٹھے تھے۔"

"میری وجہ سے؟" خوبرو احمق نے الوؤں کی طرح دیدے نچائے۔

"تمہارا نام علی عمران ہی ہے نا؟"

"افسوس!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیا مطلب؟"

"تم ضرور میری سسرال والوں سے ٹکرا گئے تھے۔"

"مسٹر میوری اور تمہاری سسرال والے... ہونہہ...!"

"مسٹر میوری!" احمق کی آنکھوں میں کسی قدر تشویش کے آثار نظر آئے۔

"مسٹر میوری... تھرٹین شیر دل روڈ پر رہتے ہیں۔"

"تھرٹین شیر دل روڈ پر! لیکن تم وہاں کیوں کر جا پہنچے؟"

ظفر بڑی تیزی سے گزشتہ رات کے واقعات بیان کرتا چلا گیا۔

احمق کے چہرے پر کبھی حیرت کے آثار نظر آتے اور کبھی وہ خوف زدہ دکھائی دینے لگتا۔

ظفر کے خاموش ہوتے ہی بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا "پتا نہیں کیا چکر ہے۔ میں نے عرصے سے کوئی لڑکی نہیں چھیڑی۔"

"تمہارا نام علی عمران نہیں ہے؟"

"بلاشبہ میرا نام یہی ہے۔"

"تب تو مسٹر میوری کے تیور بھی خطرناک تھے۔"

"میں کسی مسٹر میوری کو بھی نہیں جانتا۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔ ان کی باتوں سے تو معلوم ہوتا تھا جیسے تمہارے خون کے پیاسے ہوں۔"

"چھوڑو، ختم کرو۔"

"اس نے کہا تھا کہ میں اس کے اخراجات پر کچھ دن آرام کرنا چاہیے۔"

"تب تو میاں تم چپکے سے نظر آؤ۔ میرے قریب تمہارا پایا جانا تمہارے حق میں بے حد مضر ہو گا۔"

*

جمن کمرے میں پہنچ کر بڑی مایوسی سے اپنے شفاف گالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے حالات کو ایک گندی سی گالی دی اور بستر پر اوندھا لیٹ کر مستقبل کے بارے میں ڈراؤنے خواب دیکھنے لگا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور جمن اچھل پڑا۔ بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے آپریٹر کی آواز سنائی دی۔

"ظفر الملک صاحب؟"

"نو... جمیس اسپیکنگ۔"

"ہولڈ آن کیجیے۔"

وہ ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک نسوانی آواز آئی: "ہیلو جمیس۔"

"ایٹ یور سروس مادام!"

"سنو! اس وقت ظفر ڈائننگ ہال میں اسی آدمی کی ٹیبل پر موجود ہے جس نے پچھلی رات اُسے مصیبت میں پھنسایا تھا۔"

"آپ کون ہیں مادام؟"

"مسٹر میوری کی سیکرٹری جس نے پچھلی رات تم لوگوں پر تشدد نہیں ہونے دیا تھا۔"

"اچھا! ابھی تو تھا آپ ہی نے فرمایا!"

"خیر ختم کرو۔ تمہارا ساتھی جس آدمی کی میز پر اس وقت موجود ہے وہ مسٹر میوری کے کاروباری حریف کا ایجنٹ ہے، اور مسٹر میوری کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔"

"یہ تو بہت بُری بات ہے مادام!" جمن نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"بے شک!"

"یقیناً مادام! اس سلسلے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"کسی طرح اسے باہر لاؤ۔"

"آپ کہاں سے بول رہی ہیں؟"

"کہیں آس پاس ہی سے۔"

"اچھا! دیکھیے میں کوشش کرتا ہوں۔"

"مسٹر میوری تمہارے اس کام سے بہت خوش ہوں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" جمن نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور رکھ دیا۔

اس نے حامی تو بھر لی تھی لیکن سوچ رہا تھا کہ آخر وہ اُسے کس طرح ہوٹل کی عمارت سے باہر لے جا سکے گا۔

اپنی گدی سہلاتا ہوا کمرے سے باہر نکلا اور ڈائننگ ہال کی طرف چل پڑا۔

*

"مسٹر میوری تم سے کیا چاہتے ہیں؟" ظفر نے خوبرو احمق سے پوچھا۔

"میں کہتا ہوں، تم میرے پاس سے ہٹ جاؤ ورنہ اپنی ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

"مجھے کسی کی پروا نہیں۔ تم اپنے بارے میں نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ لیکن میں تم سے ضرور یہی پوچھوں گا کہ تم نے ازراہ خلوص مجھے اپنا گرم سوٹ عطا کیا تھا یا حقیقتاً میری آڑ لے کر اپنی گردن بچانا چاہتے تھے؟"

"ایک پنچھی دوسرے پنچھی سے اس قسم کے سوالات کرے خدا کی شان ہے!" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"بھلا ایک پنچھی سے کسی کی دشمنی کیوں ہونے لگی؟"

"مسٹر میوری تمہارے خون کے پیاسے کیوں ہیں؟"

"یقین کرو پیارے کہ یہ نام ہی میرے لیے بالکل نیا ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ کل تم نے ٹرین پر کسی لڑکی سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی تھی؟"

"ہم... مجھے شرم آتی ہے لڑکیوں سے۔" عمران کے چہرے پر چھائی ہوئی حماقت میں شرم کی سُرخی کا بھی اضافہ ہو گیا۔

"نہیں... شرم آتی ہے؟"

عمران نے بد حواسوں کی طرح سر کو اثباتی جنبش دی اور ظفر اسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر دفعتاً جمن کی آمد نے اسے چونکا دیا۔ جمن کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اسے کوئی بہت ہی خطرناک اطلاع دینے آیا ہو۔

"کیا بات ہے؟" اس نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے!"

"سوڈا پیو۔"

"کمرے میں چلیے۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"تنہائی ہی کی وجہ سے تو پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔"

"نہیں، میں یہیں بیٹھوں گا۔"

"اٹھ جائیے خطرہ ہے۔" جمن نے فرانسیسی میں کہا۔

"کیسا خطرہ؟" فرانسیسی ہی میں سوال کیا گیا۔

جمن نے فرانسیسی ہی میں اسے فون کال کے بارے میں بتایا۔ عمران اس دوران میں بالکل ایسے ہی انداز میں بیٹھا انھیں دیکھتا رہا تھا جیسے وہ گونگے آدمیوں کی بے معنی آوازیں سنتا رہا ہو۔

ظفر سوچ میں پڑ گیا اور جمن وہیں کھڑا رہا۔ دفعتاً عمران نے اس سے کہا: "آپ بھی تشریف رکھیے جناب عالی!"

"بے حد شکریہ... موسیو... میں ذرا جلدی میں ہوں۔" جمن نے معذرت طلب انداز میں کہا اور ظفر سے فرانسیسی میں بولا۔

"کیا خیال ہے؟"

"میرا فرض ہے کہ اس شریف آدمی کو حالات سے آگاہ کر دوں۔"

"بھیک مانگنے کے لیے تیار رہیے گا۔"

"کچھ بھی ہو۔"

"اچھی بات ہے۔ میں تو کمرے میں واپس جا رہا ہوں۔"

"بالکل چلے جاؤ۔"

جمن کے چہرے پر جھنجلاہٹ کے آثار نظر آئے اور وہ بڑی تیزی سے دوسری طرف مڑ گیا۔

عمران پھر صاحبان کے پتلے اڑانے لگا تھا۔ ہال کے متعدد لوگ اس کی طرف متوجہ تھے۔

ظفر نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم خطرے میں ہو، میرے دوست۔"

عمران نکی کو ہونٹوں سے نکال کر مسکرایا اور فرانسیسی ہی میں بولا۔ "تم مجھے باہر لے چلو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری نوکری پکی ہو جائے۔"

"اوہ۔" ظفر نے مٹھیاں بھینچ کر طویل سانس لیا۔

عمران آہستہ سے بولا۔ "کھڑے ہو جاؤ اور میرا ہاتھ پکڑ کر اس طرح اٹھانے کی کوشش کرو جیسے میں یہاں سے اٹھنے کے سلسلے میں تم سے متفق نہیں ہوں۔"

"میں نہیں کہہ سکتا کہ کس چکر میں پڑ گیا ہوں۔" ظفر کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"تمہاری مرضی۔ ویسے میں تو تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔" عمران بولا۔

"تو کیا تم میرے ساتھ باہر چلو گے؟"

"یقیناً۔"

"میں تمہیں آگاہ کر دوں کہ ان لوگوں کی پچھلی رات والی گفتگو سے میں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ میوری اس لڑکی کے ذریعے تمہیں کسی جال میں پھانسنا چاہتا تھا۔ وہ تمہیں صرف اتنی دیر تک الجھائے رکھتی جتنی دیر میں میوری کے آدمی وہاں پہنچتے۔"

"لڑکیوں سے شرمانا انگلینڈ ہے لیکن ان کے ہاتھوں قتل ہو جانا اردو شاعری کی بہترین روایات میں سے ہے۔" عمران مسکرا کر بولا۔

"اچھی بات ہے، تو اٹھو اور چلو میرے ساتھ۔"

ظفر نے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور باہر جانے کے لیے کرسی سے اٹھانے لگا۔

عمران کے چہرے پر پائی جانے والی حماقت کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔ وہ صدر دروازے سے گزر کر باہر نکلے۔

عمران بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ "اگر تم یہاں پہلی بار آئے ہو تو برف باری ہونے تک ٹھہرو۔ بڑا مزا آتا ہے۔"

"میں یہاں قیام کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔" ظفر نے بھی اونچی ہی آواز میں کہا۔ "تم سمجھتے ہو کہ میں سردی برداشت نہیں کر سکتا۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض کروں گا کہ اپنی عمر کا بیشتر حصہ سرد ملکوں میں گزارا ہے۔"

"تم ایک گھنٹے تو ٹھہر نہیں سکتے باہر کی کھلی فضا میں۔" عمران بولا۔

"یہی ثابت کرنے کے لیے ہم باہر آئے ہیں۔ بتاؤ میں کہاں کھڑا ہو جاؤں؟"

"آگے چلو۔ یہاں ہوٹل کی دیواریں جسم کو گرمی پہنچا سکتی ہیں۔"

"میں کہہ چکا ہوں جہاں جی چاہے چلو۔"

وہ چلتے ہوئے ہوٹل سے کافی دور نکل آئے۔ روشنی کی حدود سے بھی دور پہنچ گئے تھے۔ ظفر کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ آنے والے لمحات معلوم نہیں کن حالات سے دوچار کریں۔

"بس یہیں رک جاؤ۔" عمران دفعتاً بولا۔

پھر سناٹے میں ایک فائر کی آواز گونجی اور دونوں ہی بڑی پھرتی سے زمین پر لیٹ گئے۔

چاروں طرف گہری تاریکی تھی اور فائر کی آواز کے بعد جھینگروں کی صدائیں تھم گئی تھیں اور وہ مزید خوفناک ہو گئی تھی۔

دفعتاً بائیں جانب سے کسی نے ظفر الملک پر چھلانگ لگائی اور وہ بے ساختہ بول پڑا۔ "ارے ارے یہ میں ہوں۔" اور اسی بوکھلاہٹ کے عالم میں اس نے فائروں کی متعدد آوازیں سنیں۔

ظفر الملک پر چھلانگ لگانے والے دو تھے۔ ایک نے اسے دبوچ رکھا تھا اور دوسرا اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں اور پھر وہ پوری طرح اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہو گیا۔ دوبارہ ہوش میں آنے پر اس نے خود کو اجنبی جگہ پایا لیکن اس کمرے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

وہ اٹھ بیٹھا۔ بستر آرام دہ تھا۔ دفعتاً پشت سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ چونک کر مڑا۔ میوری کی سکریٹری کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

ظفر کو تاؤ آ گیا۔ اچھل کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "تم سب عقل سے کورے ہو۔"

اطلاع

خدمت میں پیش پیش
آپ کے لئے
ایک اور خدمت!

اس سے تو ہر کوئی واقف ہے کہ اکسیری دواخانہ گذشتہ ساٹھ سال سے بین الاقوامی شہرت و عزت کا حامل رہا ہے۔ اس معتبر ادارہ کا بڑا مقصد عوام کی بے لوث خدمت سستے آسان اور مؤثر علاج سے کرنا ہی ہے۔ اب ایک منفرد خدمت عوام کو پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔

آپ پاکستان میں ہوں یا پاکستان سے باہر
ہم آپ کی صحت کی حفاظت کر سکتے ہیں!

کراچی سے دور شہروں اور بیرون پاکستان ایران، عراق، دوبئی، سعودی عرب، ابوظہبی، بحرین، کویت، انگلینڈ، امریکہ، افریقہ میں مقیم پاکستانیوں سے استفادے، آسانی اور سہولت کے پیش نظر اس ادارہ نے ان کے لئے ایک علیحدہ "شعبہ تشخیص و تجویز" قائم کر دیا ہے جس کا کام صرف خط و کتابت کے ذریعہ ان بیماروں اور دکھی دل مریضوں کے علاج کیلئے ہمدردانہ غور و فکر کے بعد آسان علاج، صحت مند اور کامیاب زندگی گذارنے کے اصولوں اور راہوں سے آگاہ کرنا ہے۔

آپ بھی گھر بیٹھے اپنا علاج کرائیں
اپنی بیماریوں و شکایتوں کے تفصیلی کوائف کیساتھ اس شعبہ سے بذریعہ خط رابطہ قائم کریں
شعبہ تشخیص و تجویز۔ فون: 213197

مقامی حضرات کیلئے اوقات مطب
صبح دس بجے سے دوپہر دو بجے تک
شام چار بجے سے شام سات بجے تک
(جمعہ کو بند رہتا ہے)

(قائم شدہ ۱۹۲۵)
اکسیری دواخانہ
موتی والا بلڈنگ بالمقابل میونسپل کارپوریشن
ڈسٹرکٹ کورٹ۔ ایم اے جناح روڈ۔ کراچی

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسے ہوگیا؟" لڑکی نے کہا وہ بھی بہت زیادہ فکرمند معلوم ہوتی تھی۔

"یہ ملازمت میری سمجھ میں نہیں آئی مس؟"

"عقیلہ میرا نام ہے۔ جتنی جلد ممکن ہو یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ مسٹر میوری مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ لوگ انتہائی گدھے ثابت ہوئے ہیں کہ...."

"میری بات کا جواب دو۔ یہ کیسی ملازمت ہے؟"

"ملازمت کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ بس تم جلدی سے چلے جاؤ۔"

"میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔"

"پلیز!" وہ روہانسی ہوگئی۔

"اگر تم نے اس معاملے کو صاف نہ کیا تو؟"

"اچھی بات ہے تو یہاں سے چلو۔ تمہارا اس عمارت میں پایا جانا میرے لیے بے حد تباہ کن ثابت ہوگا۔" اس نے ظفر کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

ظفر تقریباً گھسیٹتا ہوا ہی عمارت سے باہر آیا تھا۔

لیکن یہ وہ عمارت تو نہیں تھی جہاں پچھلی رات مسٹر میوری سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے سوچا کہ اس وقت وہ جہاں بھی جائے گا راستے ابھی طرح ذہن نشین کرتا رہے گا۔

وہ ایک چھوٹی سی کار میں بیٹھ گئی اور دوسری طرف کا دروازہ اس کے لیے کھول دیا۔

ظفر اس کے برابر بیٹھتا ہوا بولا "کیا وقت ہوا ہے تمہاری گھڑی میں، میری گھڑی بند ہوگئی ہے۔"

"گیارہ۔" عقیلہ نے جواب دیا اور گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا "مسٹر میوری کا غصہ خوفناک ہوتا ہے۔"

"میں صرف اس بنا پر ان سے مرعوب ہونا قبول کروں گا کہ مجھے ان کے لیے کام کرنا ہے ورنہ کسی کا بھی غصہ میرے لیے خوفناک نہیں ہوسکتا۔"

گاڑی کافی تیز رفتاری سے کسی نامعلوم منزل کی طرف اڑی جارہی تھی۔ ظفر پوری طرح ہوشیار تھا کہ راستوں کو سمجھ سکے! بالآخر گاڑی ایک چھوٹے سے ہٹ کے قریب پہنچ کر رکی۔

"بس یہیں اترنا ہے!" عقیلہ گاڑی سے اترتی ہوئی بولی اور ظفر کے اترتے اترتے ہٹ کے دروازے تک جا پہنچی۔ ظفر نے قفل میں کنجی گھومنے کی آواز سنی تھی۔ وہ تیزی سے اس کے قریب پہنچا۔

وہ دروازہ کھول چکی تھی۔ اندر اندھیرا تھا۔ عقیلہ نے ٹارچ روشن کی اور شمع دان پر رکھی ہوئی تین بتیاں جلائیں جو اس جھونپڑے کو روشن رکھنے کے لیے کافی تھیں۔

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"یہاں کھانے کو بھی کچھ مل سکے گا یا نہیں!" ظفر نے بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں، کیا بھوک لگ رہی ہے؟"

"رات کا کھانا کس کم بخت کو نصیب ہوا ہے؟"

"یہ تو بہت بری سنائی!"

"فکر نہ کرو۔ میں تو اپنی الجھن رفع کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمہاری الجھن!" وہ اسے غور سے دیکھتی ہوئی طویل سانس لے کر بولی "تمہاری الجھن یہ ہے کہ ان لوگوں نے اسے پکڑنے کے بجائے تمہیں پکڑ لیا۔"

"نہیں! مجھے یہاں اس لیے بھیجا گیا تھا کہ میں ایک دوا ساز فیکٹری کو سپروائز کروں گا لیکن مجھ سے اس قسم کے کام لیے جارہے ہیں!"

"تمہیں وہی کرنا ہے جس کے لیے آئے ہو۔ یہ تو محض اتفاق تھا۔"

"اور اب میں اپنے کسی واقعے سے دوچار نہیں ہونا چاہتا۔"

"غلطی نہیں۔۔۔ وہ ایک سنہرا موقع تھا۔ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی تھی۔"

"آخر وہ ہے کیا بلا؟"

"ایک خطرناک آدمی۔۔۔ ہمارے باس مسٹر میوری کا جانی دشمن۔"

"لیکن وہ تو بالکل گدھا معلوم ہوتا ہے۔"

"گدھا تو مجھے بھی معلوم ہوتا ہے لیکن مسٹر میوری کا خیال ہے کہ وہ بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا ہے۔ ہوسکتا ہے ان کا خیال درست بھی ہو۔ اب یہی دیکھو کہ ہمارے آدمی اس کے بجائے تمہیں پکڑ لائے۔"

دفعتاً دروازہ آواز کے ساتھ کھلا اور وہ دونوں چونک پڑے۔ خوبرو احمق ان کے سامنے کھڑا اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے غلطی سے کسی اجنبی کے مکان میں داخل ہوگیا ہو۔

"تھکا مارا تم نے تو۔۔۔ پتا نہیں تم کیسے آدمی ہو؟" احمق نے ہراساں ہوجانے کے سے انداز میں کہا۔

"ہک... کیا... مطلب؟" ظفر ہکلایا۔

"اچھا بھلا ریسٹورنٹ میں بیٹھا تھا تم نے خندق میں گھس کر رہنے کے مقابلے کے لیے دعوت دی اور اس طرح بھاگ کھڑے ہوئے۔"

"تم کہاں تھے؟"

"میں پہلے وہاں گیا۔ باہر کھڑا انتظار کرتا رہا تم دونوں باہر نکلے لیکن جب تک میں قریب پہنچتا گاڑی میں بیٹھ کر۔۔۔ زوں!"

ظفر نے عقیلہ کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ چہرہ دھواں ہوگیا تھا۔

"یہ تمہاری واقف ہیں؟" عمران نے احمقانہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ن... نہیں تو۔"

"تب تو بہت بری بات ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب جاہئیں میرے والد صاحب جن کا قول ہے کہ دو جوانوں کو تنہا نہیں ہونا چاہیے۔ زکام ہوجانے کا خطرہ!"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" ظفر جھلا کر بولا۔

"اب تو خندق میں کھڑے رہنے کا مقابلہ ہو کر رہے گا۔ نکلو باہر۔۔۔ یہ بھی مقابلے میں شریک ہونا چاہیں تو انہیں بھی چیلنج ہے میری طرف سے۔"

عقیلہ نے ظفر کی طرف دیکھا لیکن کچھ بولی نہیں۔

"تم واقعی خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔" ظفر مٹھیاں بھینچ کر بولا "لیکن تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"میں بگڑی بنانے والوں میں سے ہوں۔ کسی کا کچھ بگاڑنا میرے مسلک کے خلاف ہے۔ کنفیوشس نے کہا تھا۔ کیا کہا تھا؟"

وہ تھوڑی پر انگلی رکھ کر سوچنے لگا پھر بولا "کوئی معقول ہی بات کہی ہوگی۔ کیا تم لوگ مجھے بیٹھنے کو بھی نہ کہوگی؟"

"ب... بیٹھو...." عقیلہ ہکلائی۔

وہ شکریہ ادا کرکے بیٹھ گیا اور جیب سے چیونگم کے پیکٹ نکال کر ان دونوں کو پیش کیے۔

دونوں نے شکریے کے ساتھ انکار کردیا۔

"ہمیں واپس چلنا چاہیے۔" عقیلہ کلائی کی گھڑی دیکھتی ہوئی بولی۔

"چلیے۔" عمران کرسی سے اٹھ گیا۔

"کیا مطلب؟" عقیلہ چونک کر بولی۔

"آتے وقت ڈکی میں آیا تھا اب پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر چلوں گا۔"

"اوہ! یعنی کہ ہماری گاڑی کی ڈکی میں!" ظفر بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

اور عمران نے معصومانہ انداز میں سر کو جنبش دے کر کہا۔

"بڑی تکلیف ہوئی تھی۔ بس گٹھری کا بن جانا پڑا تھا۔"

ظفر اور عقیلہ نے بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر یک بیک ظفر کو غصہ آگیا۔

"نہیں تم ہمارے ساتھ نہیں جاسکتے۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔" عقیلہ تھوک نگل کر بولی "باہر اس کے آدمی موجود ہوں گے۔"

"آپ کو کسی قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے محترمہ!"

دفعتاً عقیلہ کھانسنے لگی۔ اتنا شدید دورہ تھا کھانسی کا کھانستے کھانستے دہری ہوتی جارہی تھی۔ ایک بار وہ سیدھی ہوئی تو ظفر بے ساختہ اچھل پڑا کیونکہ اس نے اس کے ہاتھ میں اعشاریہ دو پانچ کا چھوٹا سا پستول دیکھا جس کا رخ عمران کے سینے کی طرف تھا۔

غالباً یہ پستول اس نے کھانستے کھانستے اپنے بلاؤز کے گریبان سے نکالا تھا اور شاید کھانسیوں کا یہ دورہ بھی بناوٹی ہی تھا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" اس نے عمران سے کہا۔

لیکن عمران احمقانہ انداز میں مسکراتا رہا۔

"میں کہتی ہوں اگر تم نے اپنی جگہ سے جنبش کی تو میں فائر کردوں گی۔"

ظفر دم بخود کھڑا ہکلاتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

اچانک عقیلہ نے ظفر سے کہا "اس کے ہاتھ پیر اسی کی ٹائی سے باندھ دو۔"

"ارے... نہیں... یہ مذاق کررہی ہیں۔" عمران بولا۔

"اس کے کہنے میں نہ آؤ۔" عقیلہ غرائی "اگر ہم اس کے ہتھے چڑھ گئے تو پتا نہیں ہمارا کیا حشر ہو؟"

"چکن تکا اور شاہی حلیم کھلواؤں گا۔" عمران بڑے خلوص سے بولا۔

"ظفر الملک میں نے تم سے جو کچھ کہا ہے وہی کرو!" عقیلہ پھر غرائی۔

"بس خواہ مخواہ... یعنی کہ..." ظفر ہکلا کر رہ گیا۔

"اچھی بات ہے تو پھر میں تم دونوں کو گولی مار کر چپ چاپ یہاں سے چلی جاؤں گی"

پھر اس نے بے دریغ عمران پر ایک فائر جھونک ہی مارا تھا۔

عمران تیورا کر فرش پر گرا۔

"غضب کر دیا" ظفر کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

"خاموش رہو اور ادھر آ جاؤ" اس نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کے قریب کھینچ لے گئی۔ غالباً مقصد یہی تھا کہ اگر کوئی دروازہ کھول کر اندر آئے تو دروازے کی اوٹ میں رہیں۔

دو منٹ گزر گئے لیکن کوئی بھی اندر نہ آیا۔

"وہ بچ ہی نہیں سکتا تھا" تھیلما عمران کی طرف دیکھ کر بولی جو فرش پر بے حس و حرکت اوندھا پڑا تھا۔

"م... میں... اس قتل کا شاہد ہوں" ظفر بہت ہی گمبھیر لہجے میں بولا اور ساتھ ہی اس نے اس کے پستول پر بھی ہاتھ ڈال دیا۔

تھیلما بے تحاشا اس سے لپٹ پڑی پستول کے دستے پر اس کی گرفت سخت ہو گئی تھی۔

ظفر اس کوشش میں تھا کہ اسے کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر اس سے پستول چھین لے۔

تھیلما پر دیوانگی سی طاری ہو گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس پستول کو اپنے قبضے میں رکھنے کے لیے جان تک دے دے گی۔ ظفر پستول چھین لینے کی دھن میں یہ بھی بھول گیا کہ وہاں ایک لاش پڑی ہوئی ہے اور اسے جلد سے جلد وہاں سے نکل جانا چاہیے۔

دفعتاً کمرے کی محدود فضا میں ایک بلند آہنگ قہقہہ گونجا اور وہ جس پوزیشن میں تھے اسی میں بے حس و حرکت ہو گئے کیونکہ یہ آواز عمران کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

تھیلما کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر فرش پر گرا۔

پھر ان دونوں نے عمران کو اسے اٹھاتے ہوئے بھی دیکھا لیکن ہکا بکا کھڑے رہے۔

عمران پستول کو اپنے کوٹ کی جیب میں رکھتا ہوا بولا۔

"کنفیوشس نے یہ ضرور کہا تھا کہ موت خواہ مخواہ نہیں آ جایا کرتی"

"تم واقعی خطرناک معلوم ہوتے ہو" ظفر آہستہ سے بولا۔

"اب تم اس لڑکی کو اٹھا کر گاڑی تک چلو"

"نہیں یہ ناممکن ہے"

"میں واقعی خطرناک ہوں مسٹر ظفر الملک!" عمران نے جیب سے تھیلما کا پستول نکال کر اس کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"ل... لیکن...!"

"میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ چلو باہر چلو"

ظفر نے تھیلما کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تھیلما خاموش رہی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ پوری طرح شکست تسلیم کر چکی ہو۔

وہ دونوں آگے چل رہے تھے اور عمران پیچھے تھا۔ گاڑی کے قریب پہنچ کر اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا: "اسے بٹھا کر تم اگلی سیٹ پر جاؤ۔ ڈرائیونگ بھی!"

تھیلما نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کنجی اس کے حوالے کی۔ عمران اسی کے برابر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے ظفر کو گاڑی کی کنجی دیتے ہوئے کہا: "تم ڈرائیو کرو گے اور جدھر میں کہوں گا اُدھر ہی چلو گے"

"اب میں پاگل ہو جاؤں گا" ظفر بولا۔

"ارے نہیں تم خوش و خرم رہو گے۔ بس دیکھتے جاؤ"

ظفر نے کار اسٹارٹ کی۔

"بس سیدھے ہی چلتے رہو" عمران بولا۔

"کہاں لے جاؤ گے؟"

"جہاں تمہارا پیٹ بھر سکے۔ میں نے سنا تھا کہ تم نے رات کا کھانا نہ ملنے کی شکایت کی تھی"

تھیلما گم سم بیٹھی رہی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنے گرد و پیش کا احساس ہی کھو بیٹھی ہو۔

دو ڈھائی میل کی مسافت طے کرنے کے بعد گاڑی ایک دوراہے کے قریب پہنچی ہی تھی کہ عمران بول پڑا: "بائیں جانب!"

"تم کہاں لے جا رہے ہو مجھے!" دفعتاً تھیلما نے گھٹی گھٹی سی آواز میں پوچھا۔

"جہاں تم جا چکی ہو" عمران کا جواب تھا۔

"وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے اگر میرا بال بھی بیکا ہوا"

"کون؟"

"تم ان سے بخوبی واقف ہو"

"لہٰذا وہ بھی مجھ سے بخوبی واقف ہوں گے"

"دیکھو دوست!" دفعتاً ظفر بولا "بات کو بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں مسٹر میوری سے تمہاری مصالحت بھی کرا سکتا ہوں"

"تم بہت زیادہ سمجھ دار معلوم ہوتے ہو لہٰذا پہلے چل کر کچھ کھا لو پھر مصالحت بھی کرا دینا"

"ظفر گاڑی روک دو" تھیلما اچانک سخت لہجے میں بولی۔

"یہاں گاڑی روک کر کیا تمہیں کھانے کو ملے گا" عمران نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

پھر ظفر نے گاڑی کی رفتار کم ہی کی تھی کہ عمران نے اسے للکارا: "چلتے رہو ورنہ میں سچ مچ خطرناک ہو جاؤں گا"

ان اطراف میں دور دور تک آبادی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ چاروں طرف چٹانیں بکھری پڑی تھیں۔ ایک جگہ عمران نے گاڑی روکنے کو کہا۔

"کیا مطلب؟" تھیلما بوکھلا کر بولی۔

"یہیں اترنا ہے"

ظفر نے گاڑی روک دی اور اندر کا بلب روشن کر کے ان کی طرف مڑا۔

"کیا ارادے ہیں؟" وہ عمران کو گھورتا ہوا بولا۔

"بس نیچے اتر چلو"

"سنو... اس لڑکی پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے تمہیں میری لاش پر سے گزرنا پڑے گا"

"لاحول ولا قوۃ!" عمران احمقانہ انداز میں ہنس کر بولا "تم انہیں لڑکی کہتے ہو ارے یہ تو بین الاقوامی والدہ محترمہ معلوم ہوتی ہیں"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ چپ چاپ نیچے اتر جاؤ۔ اگر ان محترمہ کی جانب سے کوئی حرکت سرزد ہوئی تو سمجھ لو کہ تم خود ذمہ دار ہو گے۔ اس پستول میں ابھی پانچ گولیاں باقی ہیں"

ظفر کے نیچے اتر جانے کے بعد وہ بھی اترا اور تھیلما سے بھی اترنے کو کہا۔

"م... میں؟"

"ہاں تم..." عمران بولا "ہم صرف بزنس کی بات کریں گے!"

"تھیلما!" ظفر بھرائی ہوئی آواز میں بولا "جو کچھ میری زبان سے نکلتا ہے اس پر قائم رہنے کا عادی ہوں۔ میری زندگی میں مجال ہے کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچ سکے"

تھیلما کسی قدر پس و پیش کے بعد نیچے اُتر آئی۔

عمران کے داہنے ہاتھ میں اب بھی پستول تھا۔ بائیں ہاتھ سے اس نے پتلون کی جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور بائیں جانب والی ڈھلان میں اس کی روشنی ڈالتا ہوا بولا: "اسی طرف اتر چلو"

تھیلما ظفر کے شانے سے لگ کر چلنے لگی۔

عمران ان کے پیچھے تھا اور ٹارچ کی روشنی میں انہیں راستہ دکھا رہا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" تھیلما منمنائی۔

"فکر نہ کرو" ظفر اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

ڈھلان ختم ہوتے ہی وہ ایک بڑی سی دراڑ میں داخل ہوئے۔ دراڑ کا خاتمہ ایک غار کے دہانے پر ہوا تھا۔

تھیلما ہچکچائی لیکن ظفر نے اس کے شانے پر دباؤ ڈال کر اسے آگے بڑھا دیا۔

غار بہت کشادہ تھا۔ ٹارچ کی روشنی میں بہتیرے ایسے آثار نظر آئے جن کی بنا پر کہا جا سکتا تھا کہ یہ کسی کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے۔

"ذرا وہ موم بتیوں کو روشن کر دو" عمران نے ایک طرف ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

ظفر آگے بڑھا۔ موم بتیوں کے قریب ہی دیا سلائی کی ڈبیہ بھی پڑی مل گئی۔ موم بتیاں روشن کر کے وہ سوالیہ انداز میں عمران کی طرف دیکھنے لگا۔ عمران نے پیال کے بستر کی طرف اشارہ کر کے کہا "تم دونوں بیٹھ جاؤ"

لیکن وہ جوں کے توں کھڑے رہے۔ عمران نے پستول پھر کوٹ کی جیب میں ڈال لیا تھا۔

دفعتاً غار کے دہانے کی طرف سے آواز آئی: "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ"

وہ چونک کر مڑے۔ تین آدمی دہانے کے قریب کھڑے نظر آئے۔ ایک کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی اور اس کا رخ انہی کی طرف تھا۔

ظفر نے محسوس کیا کہ تھیلما کا چہرہ کھل اٹھا ہے۔

وہ ہاتھ اٹھا کر چیخی: "ہوشیاری سے اسے گھیر کر باندھ لو..."

"دوسرا کون ہے مادام؟" ٹامی گن والے نے پوچھا۔

"یہ... یہ... اپنا ہی آدمی ہے۔ تم لوگ یہاں

کیسے پہنچے؟"

"ہم تین دن سے اس جگہ کی نگرانی کر رہے تھے۔"

ظفر دو آدمیوں کو عمران کی طرف بڑھتے دیکھ کر خود ایک طرف ہٹ گیا۔ تھیلما بھی پھرتی سے اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

"یہ تینوں بہترین لڑاکے ہیں۔" اس نے ظفر سے کہا۔

ظفر کی نظریں عمران کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔ عمران کے چہرے پر احمقانہ سنجیدگی کے علاوہ اور کچھ بھی نظر نہ آیا۔

وہ دونوں آدمی عمران کے قریب پہنچ کر رکے اور ایک نے اپنی جیب سے موٹی سی ڈور کا لچھا نکالا۔ دوسرا عمران کے پیچھے جا پہنچا اور اس کے دونوں ہاتھ پشت پر لے جا کر باندھنے کے لیے یکجا کرنے ہی والا تھا کہ عمران بڑی پھرتی سے جھکا اور پھر یہ بات کسی کی بھی سمجھ میں نہ آ سکی کہ اس کے پیچھے والا آدمی کس طرح اچھل کر ٹامی گن والے پر جا پڑا تھا۔

عمران نے ان دونوں پر چھلانگ لگائی اور زمین پر گری ہوئی ٹامی گن کو سنبھالتا ہوا غار کے دہانے سے نکلا چلا گیا۔

یہ پورا واقعہ ظفر کو ایسا لگا تھا جیسے آنکھوں کے سامنے کوندا سا لپک گیا ہو۔

وہ لوگ سنبھل کر غار کے دہانے کی طرف جھپٹے لیکن تھمیں رک جانا پڑا۔ ٹامی گن سے فائر ہونے لگے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سبھوں کی عقلیں خبط ہو گئی ہوں۔ باہر سے عمران کی آواز آئی: "جس نے بھی غار سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو چھلنی ہو کر رہ جائے گا۔"

وہ سب جہاں تھے وہیں رک گئے۔ کسی نے بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہ کی۔

کچھ دیر بعد ظفر کھنکار کر بولا۔ "صبح تک کی قید ہوئی۔"

وہ سب اس کی طرف دیکھنے تو لگے تھے لیکن کوئی کچھ بولا نہیں تھا۔

تھیلما تھوڑی دیر بعد بولی۔ "کیوں قید کیوں؟"

"اندھیرے میں مر جانے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔"

"تو کیا وہ صبح تک باہر کھڑا رہے گا؟"

"میرا خیال ہے یہ موم بتیاں بجھا دینی چاہئیں۔" ظفر اس کی بات پر دھیان نہ دیتا ہوا بولا۔

لیکن شاید وہ اس پر بھی تیار نہ تھے۔ ایسے حالات میں خود تاریکی سے دوچار ہونا کون پسند کرے گا۔

باہر سے ایک بار پھر ٹامی گن کے گرجنے کی آواز آئی اور ان پر موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔

ظفر جیپال کے بستر پر بیٹھ گیا اور چاروں طرف نظریں دوڑانے لگا۔

ایک طرف لکڑی کا ایک صندوق نظر آیا۔ اسے یاد آیا کہ عمران نے کھانے پینے کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ بس پھر کیا تھا بھوک دوبارہ چمک اٹھی۔ اس نے سوچا، یہاں کھانے کے لیے یقیناً کچھ ضرور ہو گا ورنہ وہ تذکرہ کیوں کرتا۔

اس نے کھانے کی تلاش شروع کر دی اور بالآخر کامیاب بھی ہو گیا! لکڑی کے صندوق میں اُسے کئی ائر ٹائٹ ڈبے مل گئے۔

اور جب وہ ایک ڈبے کو کھول کر گوشت کے پارچوں پر ہاتھ صاف کر رہا تھا، تھیلما بولی۔ "واقعی تم بھی کم خطرناک نہیں معلوم ہوتے۔"

"بھوک کا مرنا میرے بس سے باہر ہے۔ پیٹ بھر لینے کے بعد ٹامی گن کی گولیاں بھی بری نہیں لگیں گی۔"

"تم تینوں یہاں کیسے پہنچے تھے؟" تھیلما نے انہیں مخاطب کیا۔

"یہاں اس کے ساتھیوں نے بہترین پناہ گاہیں بنا رکھی ہیں۔ اتفاق سے اس جگہ کا علم ہمیں ہو گیا تھا لہٰذا کئی دن سے یہاں کی نگرانی کی جا رہی تھی۔"

"لیکن اس کے باوجود...!" تھیلما نے جملہ پورا نہیں کیا۔

"ثبوت ہے مادام! ایسا آدمی آج تک ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ بظاہر کتنا سیدھا سادہ اور معصوم نظر آتا ہے۔"

"اگر... مسٹر میوری کو اس شکست کا علم ہو گیا تو؟"

"میں آپ سے یہی کہنے والا تھا مادام آپ مسٹر میوری سے اس کا تذکرہ نہ کریں لیکن مادام آپ یہاں کہاں؟"

تھیلما نے اختصار کے ساتھ اپنی کہانی دہراتے ہوئے کہا۔ "مناسب یہی ہے کہ مسٹر میوری کو کچھ نہ بتایا جائے۔"

ظفر کے علاوہ اور سب پر بے بسی طاری تھی۔ پیٹ بھر لینے کے بعد اس نے ایک سگریٹ سلگائی اور جیپال کے بستر پر نیم دراز ہو گیا۔

وہ تینوں اُسے متحیرانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

ایک نے آہستہ سے اس کے بارے میں تھیلما سے پوچھا۔ تھیلما کو اس کے حالات کا جس قدر علم تھا انہیں بتا دیا۔

"کیا خیال ہے مادام؟" ایک بولا۔ "یہ آدمی اسی کی پارٹی سے تو تعلق نہیں رکھتا؟"

"اگر پھر بھی تو مسٹر میوری ہی جانیں!" تھیلما نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

اب وہ تینوں ہی ظفر کو گھور رہے تھے۔

دفعتاً ظفر ان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "وہ گاڑی بھی لے جائے گا اور تم لوگ یہی سوچتے رہ جاؤ گے کہ باہر نکلو یا نہ نکلو۔"

"اوہ!" تھیلما چونک پڑی اور ان تینوں سے مضطربانہ انداز میں بولی۔ "کچھ کرو۔"

"وہ پاگل ہے مادام!" ایک بولا۔ "یقین کیجیے جو بھی باہر نکلا مارا جائے گا۔"

"تب پھر آرام سے بیٹھو۔" ظفر بے پروائی سے بولا۔ "دن نکلنے پر قافلہ پیدل منزل مقصود پر پہنچے گا۔"

"اچھا تو تم ہی کوئی تیر مار کر دکھاؤ۔" ان میں سے ایک بولا۔

"ٹھیک ہے۔" ظفر اٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے ہی کچھ کرنا چاہیے ورنہ ان خاتون کا پیدل سفر کم از کم میرے لیے بے حد تکلیف دہ ہو گا۔"

"نہیں، تم نہیں جاؤ گے۔"

"ہوں! تو تم بھی سمجھتی ہو کہ میں اسی کا آدمی ہوں؟"

"نہیں قطعی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم دونوں ہی پارٹیوں کے لیے اجنبی ہو۔ بل... لیکن...!"

"میری فکر نہ کرو۔ مارا گیا تو تم لوگوں کے پیچھے ہی لگے گا۔"

"تم نہیں جا سکتے۔" تھیلما سخت لہجے میں بولی۔

"یہاں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ میری نظروں میں زندگی کی وقعت نہیں۔ زندہ رہنا ہے تو امن و سکون کے ساتھ زندہ رہو ورنہ زندہ رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ الجھنوں سے بھرپور زندگی وبال جان بن جاتی ہے۔"

"یہ فلسفہ بگھارنے کا وقت نہیں ہے کوئی ڈھنگ کی بات سوچو۔"

"ملاکاؤں؟"

"کیوں خواہ مخواہ ٹیں ٹیں لگا رکھی ہے؟" ایک آدمی بگڑ کر بولا۔

"اپنا لہجہ ٹھیک کرو۔" ظفر تن گیا۔

"نہیں تو کیا ہو گا؟"

"یہ...!" ظفر نے گھما کر ایک ہاتھ اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا اور تھیلما "ارے ارے۔" کہتی ہوئی ان کے درمیان آ گئی تھی۔

"ہٹ جائیے مادام!" مار کھانے والا غرایا۔

"ہرگز نہیں... تم باز آ جاؤ ان حرکتوں سے۔"

"مادام بہت برا ہو گا۔" وہ اپنا جبڑا سہلاتا ہوا غرا رہا۔

"اوہ!" تھیلما نے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔ "تم مجھ پر آنکھیں نکالو گے، ہوش ہے کس سے باتیں کر رہے ہو؟"

"باس کی داشتہ ہے۔"

"میں مسٹر میوری کی سکریٹری کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔"

ظفر کی مٹھیاں سختی سے بھنچ گئیں۔

"اچھا بس تم براہ کرم خاموش ہی رہو۔" دوسرا آدمی بولا اور تھیلما سے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔ "مادام یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔"

تیسرا آدمی جھگڑنے والے ساتھی کو دوسری طرف ہٹا لے گیا اور ایک بار پھر غار کی محدود فضا سناٹے میں ڈوب گئی۔

تھیلما اور ظفر جیپال کے بستر پر جا بیٹھے۔ تھیلما کا موڈ بہت زیادہ خراب ہو گیا تھا۔

بیس پچیس منٹ اسی طرح خاموشی سے گزر گئے پھر ظفر آہستہ سے بولا۔ "میں جا رہا ہوں۔ ان لوگوں نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔"

"نہیں تم مجھے تنہا نہیں چھوڑو گے۔ تمہاری عدم موجودگی میں ان لوگوں پر اعتماد نہیں کر سکتی۔"

ظفر نے اسے غور سے دیکھا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہی رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آدمی ہر حال میں خوش رہ سکتا ہے۔ یہی ایک چیز اس کے بس میں ہے۔"

"یہاں اس بات کا کیا موقع تھا؟" تھیلما بولی۔

"موقع محل بھی وہی دیکھا کرتے ہیں جنہیں خوش رہنے کا سلیقہ نہ ہو۔"

"اب خاموش رہو۔" تھیلما بیزاری سے بولی۔ "تمہاری آواز بھی بری لگنے لگی ہے۔"

ظفر کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ نظر آئی تھی اور وہ جیب میں سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا تھا۔

وہ تینوں بھی ان سے ذرا فاصلے پر بیٹھ گئے تھے۔

جس سے ظفر کا جھگڑا ہوا تھا۔ وہ اب بھی اُسے رہ رہ کر گھورنے لگتا لیکن خود ظفر اس کے وجود سے اس طرح بے خبر ہو گیا تھا جیسے کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔ اب وہ ایک مشہور انگریزی دھن میں سیٹی بجا رہا تھا۔ دفعتہً غار کے باہر سے عجیب قسم کی آوازیں آنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بہت بڑا ڈرم بلندی سے لڑھکتا ہوا نیچے چلا آ رہا ہو اور اس کے وزن سے زمین لرز رہی ہو۔ ظفر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ تینوں بھی اُٹھ گئے تھے البتہ جمیلا بیٹھی رہی۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔

پھر ایک زوردار دھماکا ہوا اور ظفر بے ساختہ بولا۔

"تمہاری گاڑی تباہ کر دی گئی۔"

"کک... کیا مطلب؟"

"میرا خیال ہے کہ تمہاری گاڑی میں آگ لگا کر اُسے نیچے دھکیل دیا گیا ہے۔ یہ اسی کی ٹنکی پھٹنے کی آواز تھی۔"

"اب کیا ہو گا؟" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"میں کہتا ہوں مجھے باہر جانے دو۔"

"نن... نہیں۔" جمیلا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میں چوہوں کی طرح مار دیا جانا پسند نہیں کرتا؟"

باہر کی روشنی غار کے اندر بھی پہنچنے لگی تھی۔ غالباً ظفر کا خیال درست تھا۔ کار اس غار کے دہانے کے قریب ہی کہیں پڑی جل رہی تھی۔

جمیلا ان لوگوں کو بُرا بھلا کہنے لگی۔ وہ خاموش رہے لیکن انداز ایسا لگ رہا تھا اگر اور کوئی موقع ہوتا تو وہ اس کے پرخچے اُڑا دیتے۔

کچھ دیر بعد عمران پھر غار کے دہانے پر نظر آیا۔ اس کے ہاتھوں میں انہی لوگوں والی ٹامی گن تھی۔

"سنو!" اس نے انہیں اونچی آواز میں مخاطب کر کے کہا۔ "تم یہاں سے باہر نہیں جا سکتے لہٰذا اسی غار کو اپنی زندگیوں کا ضامن سمجھو۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" جمیلا خوف زدہ لہجے میں بول پڑی۔

"ابھی تک تو وہی ہوا ہے جو میں نے چاہا ہے۔"

"تم آخر چاہتے کیا ہو؟" ظفر نے پوچھا۔

"مسٹر میوری سے آدھے گھنٹے کی ملاقات اور بس!"

"یہ غلط ہے۔" جمیلا بولی۔

"وہ کس طرح محترمہ؟" عمران نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی لیکن مسٹر میوری انہیں اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے ہیں۔"

"وہ کسی وہم میں مبتلا ہیں حالانکہ میں انہیں ان کے فائدے کی بات بتانا چاہتا ہوں۔"

"چلو میں ملوا دوں گا مسٹر میوری سے لیکن تم نے ہماری گاڑی کیوں تباہ کر دی؟"

"تاکہ تم لوگ یہاں سے نکل بھاگنے کے تصور ہی سے محروم ہو جاؤ۔"

"آخر ہمیں یہاں قید کیوں رکھنا چاہتے ہو؟"

"یہ میری ہابی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"تم سمیت ستائیس آدمی میں نے ان غاروں میں پال رکھے ہیں۔ صبح تمہیں ناشتا بھی ملے گا مطمئن رہو۔"

"دیکھو دوست! میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ مجھے تم لوگوں کے درمیانی معاملات کا علم نہیں۔"

"پھر کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"تو پھر آرام کرو۔ باہر میرے دو مسلح آدمی موجود ہیں۔ وہ بے دریغ فائر کر دیں گے اگر کسی نے باہر نکلنے کی کوشش کی...!"

پھر وہ چلا گیا۔ ظفر اور جمیلا خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔

ان تینوں کی زبانیں بھی گنگ تھیں۔ دفعتہً ان میں سے ایک بولا۔

"اب میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ اسی نے ہمارے لیے موقع فراہم کیا تھا!"

"کیسا موقع؟" دوسرے نے چونک کر پوچھا۔

"یہی کہ ہم اس کے ایک چہرے سے واقف ہو جائیں جس میں جانسن گروہ ہمیں مار سکے۔"

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ ظفر اور جمیلا دونوں ہی بیک وقت مسکرائے تھے۔

لیکن انہیں یک بیک سنجیدہ ہو جانا پڑا۔

اب وہ تینوں آہستہ آہستہ کسی مسئلے پر بحث کر رہے تھے اور نظریں بچا بچا کر ان کی طرف دیکھتے بھی جا رہے تھے۔

"ان کے خیالات میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟" ظفر آہستہ سے بولا۔

"اونہہ جہنم میں جائیں۔"

"نہیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ وہ میری طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔ عمران کو اسی کا آدمی سمجھتے ہیں۔"

"تو کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ مجھے تو تمہارا خیال ہے!"

"میں اپنی حفاظت کی ذمہ داری تم پر نہ ڈالوں گی اگر کوئی ایسا موقع آیا۔"

ظفر کچھ نہ بولا۔

اتنے میں ایک آدمی اُٹھ کر ان کے قریب آیا اور جمیلا سے بولا۔ "مادام ذرا الگ چل کر میری ایک بات سن لیجیے۔"

وہ اُسے ظفر سے تھوڑے فاصلے پر لے جا کر آہستہ آہستہ اس سے کچھ کہنے لگا۔ ظفر کا اندازہ تھا کہ وہ گفتگو اسی کی مخالفت میں ہو رہی ہے لیکن وہ خاموش بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر واپس آ کر وہیں بیٹھ گئی اور وہ آدمی اپنے ساتھیوں کی طرف چلا گیا۔

ظفر محسوس کر رہا تھا کہ جمیلا میں کوئی فوری تبدیلی ہوئی ہے۔

"کیا کہہ رہا تھا؟" ظفر نے اس کی طرف جھک کر آہستہ سے پوچھا لیکن وہ اس سے کچھ اور دور سرک گئی۔

"ارے... کوئی خاص بات؟" ظفر نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں تو..." جمیلا نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔" ظفر اُٹھتا ہوا بولا۔ "اب میرا جو دل چاہے گا کروں گا۔"

وہ تینوں بھی اُٹھ گئے۔

ظفر سمجھ گیا تھا کہ اس آدمی نے جمیلا کو اس کے بارے میں کسی نئی غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے۔

"بیٹھ جاؤ!" ان تینوں میں سے ایک نے پیال کے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟" ظفر خشک لہجے میں بولا۔

"ہم تمہیں سمجھا دیں گے۔"

"بات بڑھ جائے گی!" ظفر نے جمیلا کی طرف مڑ کر کہا۔

لیکن جمیلا نے جواب دینے کی بجائے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ ٹھیک اسی وقت ایسا محسوس ہوا جیسے غار میں بیک وقت بے شمار قسم کی آوازیں گونجنے لگی ہوں۔

کتے بھونک رہے تھے۔ بلیاں چیخ رہی تھیں۔ بندروں کی قلقاریاں بھی شامل تھیں۔ اس شور میں ایک بار شیر بھی دہاڑا اور جمیلا اچھل کر ظفر کی طرف دوڑی پھر وہ اُسے سنبھال نہ لیتا تو دہشت زدگی کے عالم میں زمین پر آ رہی ہوتی۔

ان تینوں کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آوازیں ہوا کے جھکڑوں کے ساتھ غار میں آ رہی ہوں۔

خود ظفر بھی بوکھلا گیا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ دفعتہً بائیں جانب ایک . . . . . . آئی جو موم بتیوں کی روشنی سے مختلف تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی دراڑ روشن ہو گئی ہو۔

موم بتیوں کی دھندلی روشنی میں غار کے بہتیرے گوشے ان کی نظروں سے پوشیدہ رہے تھے۔ اب وہ سب ایک ہی جگہ اکٹھے ہو گئے تھے۔ بدلتے ہوئے غیر متوقع حالات نے انہیں غیر شعوری طور پر ایک دوسرے سے قریب ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

ظفر بوکھلایا ہوا ضرور تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ ماحول میں تبدیلی محسوس نہ کر سکتا۔ شور آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا لیکن دراڑ میں نظر آنے والی روشنی بتدریج تیز ہو رہی تھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کچھ دیر بعد اس پر نظر نہ ٹھہر سکے گی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے... یہ کیا ہو رہا ہے؟" جمیلا ظفر کا بازو جھنجھوڑ کر بولی۔

ظفر کچھ نہ بولا۔ وہ دراڑ کی بڑھتی ہوئی روشنی کو تشویش کن نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ اچانک اسی دراڑ سے ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور موم بتیاں بجھ گئیں۔ ساتھ ہی دراڑ والی روشنی بھی غائب ہو گئی۔

سب سے پہلے جمیلا چیخی تھی اور پھر وہ بھی بالکل ایسے ہی انداز میں چیخنے لگے تھے جیسے انہیں مرگی ہو گئی ہو۔

ظفر نے جلد ہی اپنے اعصابی انتشار پر قابو پا کر ہونٹ بھینچ لیے لیکن دوسرے بدستور چیختے رہے۔

پھر ظفر انہیں بھی خاموش کرانے کی کوشش شروع کرنے ہی والا تھا کہ کسی نے اس کی کنپٹی پر ایک بھرپور ہاتھ رسید کر دیا۔

اندھیرا اور گہرا ہو گیا۔ وہ گرا تھا لیکن چوٹ کا احساس کیونکر ہوتا جب کہ گرنے سے پہلے ذہن ہی جواب دے چکا تھا۔

دوبارہ ہوش میں آنے پر اس نے خود کو ایک کرسی پر بیٹھا

ہوا پایا تھا اور اس کے چاروں طرف چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

سب سے پہلے اس کی نظر عقیلہ پر پڑی اور اس نے محسوس کیا کہ وہ اسے حیرت سے دیکھ رہی ہے۔ وہ اس کے سامنے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ ظفر بوکھلا کر کرسی سے اٹھ گیا۔

"ہم کہاں ہیں؟" اس نے عقیلہ کی آواز سنی۔

چاروں طرف چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور سر پر کھلا آسمان تھا۔ ظفر کو آس پاس اور بھی کئی فولڈنگ کرسیاں پڑی نظر آئیں لیکن وہ خالی تھیں اور آس پاس کچھ اس قسم کا سامان بکھرا پڑا تھا جیسے وہ پکنک پر آئے ہوں۔

عقیلہ جھپٹ کر اس کے قریب آ گئی۔

"یہ سب کیا ہے ظفر؟ ہم کہاں ہیں؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" ظفر نے کہا اور یادداشت پر زور دینے لگا۔ پچھلی رات کے واقعات کسی قدر دھندلاہٹ لیے شعور کی سطح پر ابھرنے لگے تھے۔

کسی نے اس کی کنپٹی پر گھونسا مارا تھا اور وہ بالآخر بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے اب اس نے آنکھیں کھولی تھیں پھر اس نے غیبی انداز میں پلکیں جھپکائیں اور عقیلہ کی طرف دیکھا۔

"ہم... میں غار میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ کسی نے میری کنپٹیاں دبائی تھیں۔" عقیلہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ میں یو۔ کے سے واپس ہی کیوں آیا تھا۔"

"ہم کہاں ہیں؟"

"کاش مجھے معلوم ہوتا!"

"وہ تینوں کہاں ہیں؟"

"پتا نہیں۔ لیکن یہ کرسیاں اور یہ سامان دیکھو۔ اس باسکٹ میں شاید کھانے کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔" ظفر نے کہا اور جھپٹ کر باسکٹ اٹھا لی۔

"اوہو!" وہ باسکٹ کا ڈھکنا اٹھاتا ہوا بولا۔ "بہت کچھ ہے۔ سینڈوچ... بن اور بسکٹ!"

"تمہیں ہر وقت بھوک ہی لگی رہتی ہے؟" عقیلہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

ظفر نے ٹوکری نیچے رکھ دی تھی اور اکڑوں بیٹھ کر سینڈوچ پر ہاتھ صاف کرنے لگا تھا۔

"تم بھی لو۔" وہ جلدی جلدی منہ چلاتا ہوا بولا۔

لیکن عقیلہ پریشان پریشان نظروں سے چاروں طرف دیکھے جا رہی تھی۔

چمکیلی دھوپ اچھی لگ رہی تھی۔ اس وقت کم از کم ظفر تو اس دھوپ سے بھی لطف اندوز ہو رہا تھا لیکن عقیلہ خائف بھی تھی اور بہت زیادہ فکر مند بھی۔

ظفر نے اسے پھر دعوت دی لیکن وہ بُرا سا منہ بنائے بے تعلقی سے کھڑی رہی۔

"اچھا تو مجھے وہ تھرماس ہی اٹھا دو۔ اس میں یقیناً چائے یا کافی ہو گی۔"

عقیلہ نے اسے تھرماس اٹھا دیا تھا۔ اس میں کافی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس قسم کے آدمی ہو؟" عقیلہ بولی۔

"کیوں؟"

"تمہیں اس کی پروا نہیں ہے کہ کس حال میں ہو اور پیٹ کی فکر پڑی ہے۔"

"جہاں بھی ہوں زندہ ہوں۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہتا کہ زندہ ہوں اور زندگی کے وسائل میسر ہوں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کہاں ہوں۔ وقت اور زندگی کے علاوہ اور کوئی چیز اہمیت نہیں رکھتی۔"

"تم شاید پاگل ہو۔"

"اور میں چاہتا ہوں کہ ساری دنیا میری ہی طرح پاگل ہو جائے۔ زمین کی حد بندیوں کی طرف آدمی کا ذہن ہٹ جانا چاہیے۔ بس زندگی اور وقت اور کچھ نہیں۔ آدمی کا جسم ہی اس کا وطن ہے اور ہر آدمی کو ایک دوسرے کے وطن کی حفاظت کرنی چاہیے۔ زمین کی حد بندی کرکے اس کی حفاظت کرنے والے خون کی ہولی کھیلتے ہیں۔ میری طرف اس طرح نہ دیکھو۔ میں اپنے دور کا پیغمبر ہوں۔ تمہارے وطن کی حفاظت میرا فرض ہے۔ آؤ کچھ کھا لو ورنہ تمہارے وطن کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔"

وہ اسے خونخوار نظروں سے گھورتی ہوئی اس کے پاس آ کر بیٹھی۔ ظفر نے اپنی ہی کاٹی ہوئی سینڈوچ اس کے ہونٹوں . . . . . کی طرف بڑھائی اور عقیلہ نے بغیر یہ دیکھے کہ وہ اس کی کاٹی ہوئی ہے اسے کھانا شروع کر دیا تھا۔

"تم میرے نظریۂ وطنیت سے متفق معلوم ہوتی ہو؟"

ظفر بولا۔

"اگر ان حالات میں نہ ہوتی تو تمہاری اس اُپج سے کافی محظوظ ہوتی۔"

"حالات بھی دقیانوسی انداز فکر کی پیداوار ہیں۔ مجھے تو آج تک حالات کی پروا نہیں ہوئی۔ میں خود ہی حالات کا پروردگار ہوں۔"

"تم ان حالات پر کیونکر قابو پاؤ گے؟"

"پا چکا!"

"وہ کیسے؟"

"دیکھ لو۔ تمہاری طرح بسورنے کے بجائے فراخ دلی سے پیٹ بھر رہا ہوں۔ کیونکہ وطن کی حفاظت ہر حال میں مقدم ہے۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"آ جائیں گی۔ پہلے تم اپنا پیٹ بھر لو۔ ہر قسم کی باتیں اسی وقت سمجھ میں آتی ہیں جب پیٹ بھرا ہو۔"

عقیلہ خاموشی سے کھانے لگی۔

ایک بڑا سا پرندہ دیر سے ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ ظفر نے بھنے ہوئے گوشت کا ایک ٹکڑا کافی بلندی پر اس کی طرف اچھالا اور اس نے جھپٹا مار کر اسے اپنے پنجوں میں پکڑ کر پرواز کا رخ بدل دیا۔

اب وہ مشرق کی سمت تیرتا چلا جا رہا تھا۔

"کافی انڈیلوں تمہارے لیے؟" ظفر نے عقیلہ سے پوچھا۔

"انڈیلو۔"

ظفر نے اتنے اطمینان سے اس کے پیالے میں کافی انڈیلی تھی جیسے اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہو۔ مہمان نوازی کی روایات کو مزید زندگی بخش رہا ہو۔

"میں شاید کبھی نہ بھلا سکوں۔" عقیلہ کچھ دیر بعد بولی۔

"مجھے بھلانے کی دوڑ تو کوئی پروا نہیں۔ ہاں اگر تم میرے نظریۂ وطنیت کو دوسروں تک پہنچا سکو۔ ہمیشہ یاد رکھو آدمی کا جسم اس کا وطن ہے اور ایک دوسرے کے وطن کی حفاظت ہر آدمی کا فرض ہے۔"

"میں ہمیشہ یاد رکھوں گی!"

دفعتاً کسی جانب سے نسوانی قہقہے کی آواز آئی اور وہ دونوں ہی چونک پڑے۔

بائیں جانب والی ڈھلان سے ایک دلکش چہرہ ابھرا تھا اور وہ انہیں حیرت سے گھور رہا تھا۔

یہ ایک بڑی خوب صورت سفید فام لڑکی تھی۔ عقیلہ کی دلکشی اس کے آگے ماند پڑ گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کے قریب آ گئی۔ اس کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی بھی تھا۔ وہ دونوں حیرت سے انہیں دیکھتے رہے۔ دونوں ہی کی آنکھوں میں استعجاب تھا۔

عقیلہ چوروں کی طرح کھڑی تھی لیکن ظفر اب بھی باسکٹ میں کسی دوسرے آئٹم کی تلاش میں تھا۔

بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "بھلا انتظار تو کیا ہوتا؟"

اور لڑکی نے آگے بڑھ کر باسکٹ ظفر کے ہاتھ سے چھینتے ہوئے کہا۔ "ہمارے لیے بھی کچھ چھوڑو گے یا نہیں؟"

"کھانے دو کھانے دو۔" بوڑھا سر ہلا کر مشفقانہ انداز میں بولا۔ "بہت بھوکے معلوم ہوتے ہیں۔"

عقیلہ بوڑھے کے قریب آ کر مری مری سی آواز میں بولی۔ "ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں لیکن ہم یہاں پہنچے کیسے؟"

"پہنچے کیسے؟" بوڑھے کے لہجے میں حیرت تھی۔ "تم ہی بتاؤ مجھے اس بارے میں۔ ہم نے تو تمہیں یہاں پڑے دیکھا تھا۔ اور کچھ ایسے لوگوں کی تلاش میں چلے گئے تھے جو تمہیں اٹھا کر مناسب مقام پر لے چلیں لیکن کوئی ملا نہیں۔"

ظفر نے باسکٹ لڑکی کو دے دی تھی اور اس سے کہہ رہا تھا۔ "میں تمہارا شکریہ ادا نہیں کروں گا کیونکہ یہ میرا حق تھا۔"

"میں نے تو تم سے نہیں کہا تھا کہ تم شکریہ ادا کرو۔ میں بھی سمجھتی ہوں کہ ہر ایک کے حصے سے محتاجوں کا حق نکلنا چاہیے۔"

"یہ تمہارے ڈیڈی ہیں؟" ظفر نے بوڑھے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"انکل!"

انکل کے نام پر بوڑھا چونکا اور ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "ہیلو مائی لیڈ! ہاؤ ڈو یو ڈو؟"

"تھینکس انکل... فائن!"

"تم لوگ یہاں کیسے پہنچے؟"

"ہمیں کچھ یاد نہیں۔" ظفر کہہ رہا تھا۔ "سردار گڑھ سے ایک طرف چل نکلے تھے۔ راستے میں رہزنوں نے گھیر لیا۔ ان سے جھگڑا ہوا تھا پھر کچھ یاد نہیں۔"

"سردار گڑھ؟" بوڑھے کے لہجے میں حیرت تھی۔ "سردار گڑھ تو یہاں سے ڈھائی سو میل کے فاصلے پر ہے۔"

"اوہ!" عقیلہ کانپ گئی۔

"یہ آزاد علاقہ ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ تم لوگوں پر میری نظر پڑ گئی ورنہ تمھیں بڑی پریشانیاں اٹھانی پڑتیں۔ میں یہاں کا واحد ڈاکٹر ہوں اور مقامی لوگ میرا بڑا احترام کرتے ہیں۔"

ظفر نے عقیلہ کی طرف دیکھا اور بے چارگی کے علاوہ اور کچھ نہ دیکھ سکا۔

"ہم اکثر ادھر آتے ہیں!" بوڑھا بولا: "میرا نام رچنڈ ہے۔ آئیون رچنڈ اور یہ میری بھتیجی کلارا ہے۔"

"میں ظفر ہوں... اور یہ..."

"عقیلہ!" عقیلہ جلدی سے بول پڑی: "ہم دونوں دوست ہیں...!"

لڑکی نے انھیں گھور کر دیکھا۔

"کلارا...!" بوڑھے نے ہنس کر کہا: "تمھیں بہت دنوں سے ہم عمروں کی تلاش تھی۔ میرا خیال ہے کہ تمھارا وقت اچھا گزرے گا۔"

عقیلہ ویسی ہی تھی اور کلارا سے اس کی رنگت بہت دبی ہوئی تھی۔ کلارا اس کے مقابلے میں بہت زیادہ جوان بھی تھی۔

"تو آپ لوگ اپنی مصروفیات جاری رکھیے،" ظفر بولا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ ہم کچھ دیر یہاں ٹھہریں گے!"

عقیلہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ بوڑھا شاید اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ جلدی سے بولا: "ہاں... ہاں، تم مطمئن رہو۔ تمھیں بحفاظت سرحد پار کرا کے بھجوانے کی کوشش کی جائے گی۔"

پھر وہ دونوں بھی باسکٹ سے مختلف چیزیں نکال نکال کر کھانے لگے تھے۔ ظفر تھرماس سے ان کے لیے کافی انڈیل رہا تھا۔ لڑکی اس میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔ ظفر بھی اسی طرح گھلا ملا نظر آ رہا تھا جیسے برسوں پرانی جان پہچان ہو۔

کھا پی لینے کے کچھ دیر بعد بوڑھا کلارا سے بولا۔

"اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

کلارا اٹھ کر کرسیوں کو فولڈ کرنے لگی۔ دفعتاً عقیلہ کلارا کو مخاطب کر کے بولی: "تم دو ہی تو تھے پھر اتنی کرسیاں کیوں لائے تھے؟"

"وہ دراصل... اکثر مقامی لوگ بھی ادھر آنکلتے ہیں اور ہمارے ساتھ ہی وقت گزارنے کی کوشش کرتے ہیں! پھر یہ کرسیاں اتنی ہلکی ہیں کہ پچاس بھی ہوں تو صرف ایک ہی آدمی انھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی منتقل کر سکتا ہے۔"

عقیلہ نے پرتشویش انداز میں سر کو جنبش دی۔

ظفر محسوس کر رہا تھا کہ عقیلہ ان لوگوں کے بارے میں شبہے میں مبتلا ہے۔ ذہن تو خود اس کا بھی صاف نہیں تھا لیکن وہ اپنے رویے سے اسے ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

کلارا نے جلدی جلدی کرسیاں فولڈ کر ڈالیں۔ بوڑھے نے ناشتے کے باسکٹ اور تھرماس اٹھائے اور ان تینوں نے دو دو کرسیاں سنبھالیں اور بوڑھے ہی کی رہنمائی میں ایک طرف چلنے لگے۔

ڈھلان سے اتر کر وہ ایسی جگہ پہنچے جہاں ایک جیپ کھڑی ہوئی تھی۔ سامان جیپ پر بار کر دیا اور خود بھی چڑھ گئے۔ لڑکیاں پچھلی سیٹ پر تھیں۔ ظفر بوڑھے رچنڈ کے پاس بیٹھا تھا۔

وہ ڈھائی میل چلنے کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سے گاڑی کے لیے آگے راستہ نہیں تھا۔

بوڑھے رچنڈ نے انھیں اترنے کو کہا۔ ظفر سوچ رہا تھا کہ اگر یہاں سے کسی طرف پیدل بھی جانا پڑا تو کم از کم عقیلہ کے لیے بہت دشوار ہوگا۔

کچھ عجیب سی چٹانیں تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان پر قدم جمانا بھی محال ہوگا۔

پھر وہ سب ہی گاڑی سے اتر گئے تھے۔ رچنڈ نے ظفر سے کہا: "ہماری رہائش گاہ زیادہ بڑی نہیں ہے۔ تمھیں بے تکلف مہمانوں کی طرح قیام کرنا پڑے گا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اگر سرونٹ کوارٹر میں بھی سونا پڑے۔"

بوڑھے رچنڈ کی رہنمائی میں وہ پیدل چل پڑے۔ وہ ایک پتلی سی دراڑ میں داخل ہو رہا تھا۔

یکے بعد دیگرے وہ سب اس میں داخل ہوئے۔ یہ درہ اتنا ہی تنگ تھا کہ دو آدمی برابر سے نہیں چل سکتے تھے۔

سو ڈیڑھ سو گز تک وہ اندھیرے ہی میں چلتے رہے پھر راستہ کسی قدر کشادہ ہو گیا اور تاریکی دھندلاہٹ میں تبدیل ہو گئی۔ ذرا ہی سی دیر میں وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے آسمان بھی نظر آ سکتا تھا۔ یہ شاید آدھے مربع فرلانگ کا ایک ٹکڑا تھا جہاں ایک حد تک مسطح زمین تھی! اور جسے چاروں طرف اونچی ناقابلِ عبور چٹانوں نے گھیر رکھا تھا۔ یہاں کچھ درخت بھی تھے اور جا بجا جھاڑیوں کی شکل میں سبزہ بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ جنگلی گلاب کی جھاڑیاں تھیں جن میں کہیں کہیں سفید پھول بھی دکھائی دیتے تھے۔ انھیں جھاڑیوں کے درمیان ایک چھوٹا سا مکان نظر آیا۔ یہ پتھروں اور لکڑی کے تختوں سے بنایا گیا تھا۔ تعمیر کافی پرانی معلوم ہوتی تھی۔ یہی بوڑھے رچنڈ کی قیام گاہ تھی۔

انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ تھوڑی دیر بعد بوڑھا رچنڈ یہ کہہ کر چلا گیا کہ اسے ایک مریض کو دیکھنے قریبی گاؤں تک جانا ہے۔

اس کی بھتیجی کلارا ظفر کا دماغ چاٹے جا رہی تھی اور عقیلہ رہ رہ کر اسے اس طرح گھورنے لگتی جیسے ظفر سے اس کا قرب اسے سخت ناگوار ہو۔

ایک ذرا کلارا اسے چھوڑ کر ہٹی تھی کہ عقیلہ بولی: "یہ کیا شروع کر دیا تم نے؟"

"کیا؟" ظفر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ لوگ ہمارے لیے اجنبی ہیں اور تم سچ مچ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"وہ بے تکلف ہو رہی ہے تو پھر میں کیا کروں؟"

"اوہ تو تم ہر ایک سے اسی طرح بے تکلف ہو جاتے ہو؟"

وہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔

"میں بہت خوش اخلاق آدمی ہوں۔ کسی کا دل توڑنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"خیر... خیر...!" وہ سرد لہجے میں بولی: "اب یہ سوچو کہ سرحد پار کیسے پہنچیں گے۔ مسٹر میموری مجھے غیر حاضر پا کر نہ جانے کیا سوچیں۔ میں بہت فکر مند ہوں۔ پتا نہیں ان لوگوں کا کیا ہوا؟"

"انھوں نے شاید میرے خلاف کوئی سازش تیار کی تھی؟"

"نہیں تو۔"

"وہ تمھیں الگ لے جا کر کیا کہتا رہا تھا؟"

"اوہ... وہ... کچھ نہیں۔"

"باتوں میں اڑانے کی کوشش نہ کرو۔ اس نے میرے خلاف کوئی ایسی بات کہی تھی کہ تم فوری طور پر مجھ سے بدظن ہو گئی تھیں۔ وہ تو اچانک وہ شور آ ٹپکا تھا۔"

"وہ کیسا شور تھا کیسی روشنی تھی؟" عقیلہ اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے حیرت کا اظہار کرنے لگی۔ ظفر شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"تم میری بات کا جواب دینا نہیں چاہتی ہو؟" وہ بالآخر بولا: "میں تمھیں اس پر مجبور نہیں کروں گا لیکن یہ علامت میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ پتا نہیں میرا ملازم کس حال میں ہوگا؟"

عقیلہ کچھ نہ بولی۔ وہ بہت زیادہ فکر مند نظر آ رہی تھی۔ ظفر نے بھی بات آگے نہ بڑھائی۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ اب کس طرح اس چکر سے نکلنا چاہیے؟ آخر عمران چاہتا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اسی کی حرکت ہے ورنہ غار سے یہاں تک کیسے پہنچتے۔

دفعتاً کلارا پھر اس کمرے میں داخل ہوئی اور ظفر کی طرف دیکھ کر بولی۔

"میں لنچ تیار کرنے جا رہی ہوں۔ کیا تم باورچی خانے میں آکر میرا ہاتھ بٹاؤ گے؟"

"ضرور... ضرور...!" ظفر اٹھ گیا۔ عقیلہ اسے گھورتی رہی لیکن جب وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوا تو بُرا سا منہ بنا کر بولی: "تم بیٹھو میں جا رہی ہوں اس کے ساتھ۔"

"نہیں تم نہیں، تم بہت زیادہ تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو آرام کرو،" کلارا ہنس کر بولی۔

"ہاں... ہاں... تم چلو،" ظفر چل پڑا اور مڑ کر عقیلہ کی طرف دیکھا تک نہیں۔

وہ پیچ و تاب کھاتی رہی۔

⁂

وہ رات انھوں نے وہیں گزاری تھی۔ دو کمروں کا مکان تھا اور چاروں آدمی ایک ہی کمرے میں سوئے تھے۔ صبح ناشتے پر عقیلہ بہت زیادہ برافروختہ نظر آئی۔ وہ بوڑھے رچنڈ سے بار بار کہہ رہی تھی کہ انھیں واپس بھجوانے کا انتظام کر دیا جائے۔

"ہمارے متعلقین ہمارے لیے پریشان ہوں گے،" اس نے کہا۔

"ابھی میں کوشش کر رہا ہوں۔ دو آدمی مل جائیں تو۔"

"دو آدمی... کیسے آدمی؟" ظفر احمقانہ انداز میں بولا۔

"ناشتے کے بعد میں ان کی تلاش میں جاؤں گا۔ تم لوگ تیار رہنا۔"

"میں بھی چلوں گی انکل۔ مجھے بستی سے تھوڑی ترکاریاں

خریدنی ہیں۔" کلارا بولی اور ظفر کی طرف دیکھنے لگی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اُسے بھی ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔

تھیلما نے فوراً ظفر کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور بولی۔

"واپسی کا سفر میری دانست میں آسان نہ ہو گا لہٰذا تمہیں آرام کرنا چاہیئے۔"

اور اس نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ تھیلما کو تنہا چھوڑے۔ ان دونوں کے چلے جانے کے بعد تھیلما بولی۔ "تم جیسا آدمی بھی آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔"

"اور عمران جیسا آدمی آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ آخر وہ چاہتا کیا ہے؟"

"تم نے سنا نہیں تھا وہ مسٹر میوری سے ملنا چاہتا ہے۔"

"تو مسٹر میوری اس سے کیوں نہیں مل لیتے؟"

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ ویسے تم نے اُسے کہتے سنا ہو گا کہ اس نے ہمارے بہت سے آدمی پکڑ لیے ہیں۔"

"میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دونوں ہی پارٹیاں بدمعاشوں کی پارٹیاں ہیں۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" وہ اسے گھورتی ہوئی تیز لہجے میں بولی۔

"ارے پکڑ دھکڑ کوئی شریفوں کا شیوہ ہے۔ اس نے تمہارے آدمی پکڑ رکھے ہیں اور تم اسے پکڑ لینے کے چکر میں ہو۔ اگر کسی کو کسی کے خلاف کوئی شکایت ہے تو وہ قانون کو متوجہ کرے۔ قانون کو ہاتھ میں لینا اچھے آدمیوں کا کام تو ہو نہیں سکتا۔"

"یہی تو میں بھی سوچتی ہوں۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی اور اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔

دفعتاً کسی نے دروازے کو دھکا دیا اور اندر گھستا چلا آیا۔ وہ دونوں اس کی صورت دیکھ کر اچھل پڑے اور بیک وقت ان کی زبانوں سے نکلا۔ "عمران۔"

"کچھ کھانے والے کو ہو تو لاؤ۔" عمران ان کی طرف توجہ دیئے بغیر بے پروائی سے بولا۔

ظفر نے جھپٹ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"ارے... ارے... یہ کیا... ہائیں! اے تم تو وہی معلوم ہوتے ہو... اور ہو مادام تھیلما! خیر... خیر... میں بہت بھوکا ہوں۔ کہا تھا کوئی شریف آدمی یہاں رہتا ہو گا!"

"میں تمہیں جان سے مار دوں گا ورنہ ہمیں سردار گڑھ پہنچاؤ۔" ظفر اس کے گریبان کو جھٹکا دیتا ہوا بولا۔

عمران نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے اپنے گریبان سے ہٹا دیا۔ ظفر کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا ہاتھ کسی آہنی گرفت میں ہو۔ لیکن عمران کے چہرے پر وہی کھلنڈرے پن کے تاثرات نظر آئے۔ ناگواری کی ہلکی سی جھلک بھی اس کی آنکھوں میں نہیں تھی۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو؟" تھیلما بولی۔

"کہہ چکا ہوں کہ مسٹر میوری کو مجھ سے ملنا ہی پڑے گا۔"

"تو تم ان سے کہو، ہم لوگوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"میں چاہتا ہوں کہ وہ خود ہی مجھ سے ملنے کی خواہش کریں۔"

"اچھی بات ہے میں کوشش کروں گا۔" ظفر سر ہلا کر بولا۔

"خیر تم یہ کام کر دینا اور تھیلما دوسرا کام کریں گی میرے لیے۔"

"کون سا کام؟" تھیلما چونک کر بولی۔

"میں تم سے مسٹر میوری کی دواساز فیکٹری کا پتہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"م... میں کیا جانوں؟"

"تم ان کی سیکرٹری ہو۔ تمہیں ہر حال میں معلوم ہونا چاہیئے۔"

"مسٹر عمران مجھے حیرت ہے۔" ظفر بولا۔

"کس بات پر حیرت ہے تمہیں عزیز از جان!"

"فیکٹری کسی چوہے کے بل میں تو ہو گی نہیں کہ آپ پتا پوچھ رہے ہیں؟"

"اتفاق سے وہ چوہے کے بل ہی میں واقع ہوئی ہے اور مسٹر سیم تم بھی اسی بل میں پہنچ جاؤ گے۔"

"کیا مطلب؟"

"پہلے میں تھیلما سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کسی دواساز فیکٹری کا علم نہیں۔"

"پھر تم نے کس طرح باور کر لیا کہ ظفر کسی دواساز فیکٹری میں کام کرنے کے لیے ملازم رکھا گیا ہے؟"

"میں ظفر کے بارے میں بھی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی کہ مسٹر میوری نے ان کے قیام کا انتظام ایک ہوٹل میں کرایا تھا۔"

"اور تم نے ان کے ذریعے مجھے پھانسنے کی کوشش کی تھی؟"

ظفر نے پھر کچھ بولنا چاہا لیکن عمران ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "یہ صاحبزادے مجھے

ٹھنڈک میں کھڑے رہنے کے مقابلے کا چیلنج دے کر ہوٹل سے باہر لے گئے تھے۔ ہاں اب بولو عزیز القدر کیا کہنا چاہتے ہو؟"

ظفر صرف ہنکارا کر رہ گیا۔

تھیلما کنکھیوں سے ہونٹ بھینچے عمران کو گھورے جا رہی تھی۔

"ہاں... اب بولو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" عمران ظفر کے چہرے کے قریب ہاتھ لہرا کر بولا۔

"کچھ... نہیں۔"

"تم نے کیمسٹری میں ماسٹرس ڈگری لی تھی؟" عمران جیب سے پلاسٹک کی ایک ڈبیہ نکالتا ہوا بولا۔ "ذرا دیکھنا تو اس سیال کی خوشبو کن چیزوں کا مرکب ہو سکتی ہے؟"

ظفر ڈبیہ اس کے ہاتھ سے لے کر اس کا پیچ دار ڈھکن کھولنے لگا۔

ڈھکن کھلتے ہی تیز قسم کی خوشبو سارے کمرے میں پھیل گئی۔ ڈبیہ اس کے چہرے کے قریب ہی تھی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ خوشبو بڑی برق رفتاری سے اس کے حواس پر حملہ آور ہوئی ہو۔ سر چکرایا اور پھر اسے گرد و پیش کی خبر نہ رہ گئی۔ بڑی تیزی سے پورا ماحول دھندلا گیا تھا۔

دوبارہ ہوش آنے پر اس نے ڈاکٹر جینڈ کو اپنے اوپر جھکا ہوا پایا۔

وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"تمہیں کیا ہوا تھا؟ لڑکی کہاں ہے؟" ڈاکٹر جینڈ نے اس سے پوچھا۔

"لڑکی؟" ظفر نے بستر سے چھلانگ لگاتے ہوئے بوکھلا کر دہرایا۔ وہ تھیلما کو آوازیں دیتا ہوا ادھر ادھر دوڑتا پھر رہا تھا۔

ڈاکٹر جینڈ اور کلارا اس کے پیچھے تھے۔

وہ ایک جگہ ٹھوکر کھا کر گرا اور کلارا اور جینڈ سر پر پہنچ گئے۔ دونوں نے سہارا دے کر اسے اٹھایا اور ظفر جلدی جلدی بولنے لگا۔

وہ ان دونوں کو بتا رہا تھا کہ کس طرح انہی ڈاکوؤں میں سے ایک آدمی گھر میں گھس آیا تھا جنہوں نے پہلے انہیں پریشان کیا تھا۔

"تو لڑکی کہاں ہے؟" بوڑھا جینڈ متحیرانہ لہجے میں بولا۔

"پتا نہیں! اس نے مجھے بے ہوشی لانے والا کوئی سیال سنگھا دیا تھا۔ مجھے پتا نہیں کہ تھیلما پر کیا گزری!"

وہ ایک پل خاموش رہ کر پھر تھیلما کو پکارنے کے سلسلے میں حلق پھاڑنے لگا۔

یک بیک سناٹے میں ایک نسوانی چیخ دور تک لہراتی چلی گئی۔

"وہ... وہ ادھر... ادھر سے آواز آئی ہے!" کلارا ایک جانب ہاتھ اٹھا کر بولی اور ظفر ادھر ہی دوڑتا چلا گیا۔

آواز پھر سنائی دی تھی۔ ایک قد آدم چٹان کے پیچھے تھیلما نظر آئی تھی۔ ایک آدھے کٹے ہوئے درخت کے تنے سے اُسے جکڑ دیا گیا تھا۔

ظفر کو دیکھتے ہی وہ بلبلا کر رو پڑی۔

"اوہ... تم... ٹھہرو نہیں... اب میں اُسے جان سے مار دوں گا۔" ظفر رسی کے بل کھولنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

اتنے میں کلارا اور جینڈ بھی وہاں آ پہنچے۔ انہوں نے اسے سہارا دے کر اس جھاڑ جھنکاڑ سے باہر نکالا اور سہارا... دیتے ہوئے گھر کی طرف چل پڑے۔

ظفر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تھیلما سے کیا پوچھے۔ اس وقت اگر عمران مل جاتا تو یہ سوچے بغیر کہ خود اس کا حشر کیا ہو گا اس کی گردن توڑ ڈالتا۔

وہ تھیلما کو گھر میں لائے۔ اس سے کچھ پوچھنے کی کوشش کرتے رہے لیکن اس کی تو جیسے زبان ہی گنگ ہو گئی تھی۔ ایسی چپ سادھی کہ ڈاکٹر جینڈ کو ظفر کو الگ لے جا کر کہنا پڑا۔ "شاید وہ ذہنی توازن کھو بیٹھی ہو۔"

"پتا نہیں انہوں نے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہو؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟"

"میں نے تم لوگوں کے جانے کا انتظام کر لیا ہے۔"

"میں اب کہیں نہ جاؤں گی!" تھیلما کی آواز آئی۔ وہ چونک کر مڑے۔

تھیلما دروازے میں کھڑی نظر آئی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"کیوں، کیا بات ہے، مجھے بتاؤ بیٹی؟" بوڑھے جینڈ نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے مشفقانہ انداز میں کہا۔

"کچھ نہیں... کچھ بھی نہیں، کچھ دن یہاں قیام کرنا چاہتی ہوں۔"

"خیر... خیر... تمہارا گھر ہے جب تک چاہو رہو لیکن

اس نے تمہیں وہاں سے جا کر باندھا کیوں تھا؟"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ اس نے ظفر کو کوئی چیز سنگھائی تھی پھر مجھ پر جھپٹا تھا۔ میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ ہوش میں آنے پر خود کو وہاں بندھا ہوا پایا۔"

"وہ ڈاکو تم لوگوں سے کیا چاہتے ہیں؟" بوڑھا جینڈ ظفر کی طرف مڑا۔

"پتا نہیں، جو کچھ ہمارے پاس تھا پہلے ہی چھین لیا تھا۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔ اب مجھے اس مکان کی حفاظت کے لیے پہاڑیوں کی مدد لینی پڑے گی۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے انکل!" کلارا کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"نہیں تم ڈرو نہیں۔ ابھی میری بوڑھی ہڈیوں میں اتنا دم ہے کہ تم لوگوں کی حفاظت کر سکوں۔" بوڑھے نے بڑے جوش سے کہا۔

"ڈاکو نے تمہیں مارا پیٹا تو نہیں تھا؟" کلارا نے عقیلہ سے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں... کچھ بھی نہیں۔"

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ چلو لیٹ جاؤ۔" بوڑھا جینڈ بولا۔ پھر وہ چچا بھتیجی ان لوگوں کو وہیں چھوڑ کر دوسری طرف چلے گئے تھے۔

ظفر خاموش کھڑا عقیلہ کو دیکھے جا رہا تھا۔

"تم پر کیا گزری؟" عقیلہ نے آہستہ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میں یہاں بے ہوش پڑا تھا۔"

"اس نے مجھے بے ہوش نہیں کیا تھا بس کمر پر لاد کر ادھر لے بھاگا تھا۔"

"تم نے شور نہیں مچایا تھا؟"

"بہت چیخی تھی مگر دور دور تک کسی کا پتا نہیں تھا۔"

"پھر؟"

"اس نے مجھے باندھ دیا... اور... اور... اب اس دنیا میں تمہارے علاوہ میرا اور کوئی نہیں۔"

"باندھ دینے کی وجہ؟" ظفر نے چونک کر پوچھا۔

"میرا مذاق نہ اڑاؤ۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "لیکن تم یہاں سے جانا کیوں نہیں چاہتیں؟"

"میں کیا بتاؤں۔ وہ عمران بڑا عجیب آدمی ہے۔ اس نے مجھے درخت سے باندھ کر اپنے تھیلے سے ایک ڈبہ نکالا جس میں بڑے خوفناک کیڑے تھے۔ اس نے انہیں زمین پر ڈال دیا تھا اور وہ رینگتے ہوئے میری طرف بڑھنے لگے تھے پھر اس نے مجھ سے وہی سوال کیا۔"

"کون سا سوال؟"

"دوا ساز کارخانے کے متعلق۔"

"اچھا تو پھر؟"

"میں نے اسے اس کا پتا بتا دیا۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"تم نہیں سمجھ سکتے۔ کارخانے کے محل وقوع کا علم میرے اور مسٹر میوری کے علاوہ اور کسی کو نہیں۔"

"تم غلط کہہ رہی ہو۔ یہ کیونکر ممکن ہے۔ وہاں کام کرنے والے بھی واقف ہیں۔"

"لیکن وہ کارخانے سے نکل کر بیرونی دنیا سے رابطہ قائم نہیں کر سکتے۔"

"کیا مطلب؟"

"وہاں کے وہ قیدی ہیں! انہیں آسمان دیکھنا نصیب نہیں ہوتا اور تم بھی وہیں بھیج دیے جاتے۔"

"اوہ!" ظفر کا حیرت سے منہ کھلا رہ گیا۔

"تمہیں وہاں ساری آسائشیں میسر ہوتیں لیکن تم آسمان نہ دیکھ سکتے، کبھی کھلی فضا میں نہ آ سکتے۔"

"خدا کی پناہ!" ظفر سناٹے میں آ گیا۔

عقیلہ چند لمحے خاموش رہ کر گلوگیر آواز میں بولی۔ "اس نے مجھ سے پتا معلوم کر لیا ہے۔ اب اگر اس کی رسائی وہاں تک ہو جاتی ہے تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ میں ہی اس کی معلومات کا ذریعہ بنی ہوں۔"

ظفر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو تفہیمی جنبش دی اور پھر عقیلہ کپکپاتی ہوئی آواز میں کہتی رہی۔ "میوری مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ نہیں اب میں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔"

"دوا ساز کارخانے میں کیا ہو رہا ہے اتنی رازداری کے ساتھ؟" ظفر نے پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتی۔"

"عمران کیا چاہتا ہے؟"

"اس کے بارے میں میں نے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ مسٹر میوری اسے مقامی پولیس سے متعلق سمجھتے ہیں۔"

"اوہ!" ظفر کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آنے لگے۔

"اور وہ اس کے ڈر سے ابھی قیام گاہ بدلتے رہتے ہیں۔"

"کیا وہ کوئی پولیس آفیسر ہے؟"

"مجھے اس کے بارے میں تفصیل سے کچھ نہیں معلوم لیکن اتنا جانتی ہوں کہ وہ مسٹر میوری کے اعصاب پر بری طرح سوار ہے۔"

"کتنا اچھا ہوا کہ مجھے قبل از وقت علم ہو گیا۔"

"لیکن اب تم بھی کیا کرو گے۔ میوری کا عتاب تم پر بھی نازل ہو گا۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں۔ قوانین کا احترام میرا جزو ایمان ہے۔ اب میں دیکھوں گا کہ عمران کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"اگر یہ مسٹر میوری کوئی غیر قانونی کام کر رہا ہے تو میرا فرض ہے کہ قانون کا ساتھ دوں۔"

"احمقوں کی طرح نہ سوچو۔ میوری بہت خطرناک آدمی ہے۔ بہتر ہو گا کہ ہم دونوں سردار گڑھ کی بجائے کہیں اور چلے جائیں۔"

"وہ میرے ملازم کو پریشان کرے گا۔ میں اسے سردار گڑھ میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔"

عقیلہ کچھ نہ بولی۔ اس کا چہرہ ست کر رہ گیا تھا ایسا لگتا تھا جیسے برسوں کی بیمار ہو۔

ظفر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "اس نے میوری کی قیام گاہوں کے بارے میں بھی پوچھا ہو گا؟"

"نہیں صرف فیکٹری کے بارے میں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔ اس کا تو یہی مطلب ہوا کہ وہ ان ساری قیام گاہوں سے واقف ہے ورنہ فیکٹری کا پتا لگا لینے کے بعد وہ اسے کہاں ڈھونڈتا پھرے گا؟"

"بہرحال... میری ہی طرح تم بھی خطرے میں ہو۔ اب اُسے یقین آ جائے گا کہ تم عمران سے ہی تعلق رکھتے ہو۔"

"ٹھہرو!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے سوچنے دو۔"

عقیلہ نڈھال سی ہو کر ایک اسٹول پر بیٹھ گئی اور ظفر اس کے قریب کھڑا سوچتا رہا۔ اگر عمران مقامی پولیس سے تعلق رکھتا ہے تو عقیلہ کو گرفتار کر کے ساتھ کیوں نہ لے گیا۔ کیونکہ وہ تو... میوری کے خلاف ایک گواہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

دفعتاً اس نے عقیلہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر یہی سوال دہرایا۔ "میں کیا بتاؤں! مجھے خود بھی حیرت ہے!" عقیلہ بولی۔

"اچھی بات ہے تو ہمیں سردار گڑھ واپس چلنا چاہیے۔" ظفر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"میں اپنی موت کو دعوت نہیں دے سکتی۔"

"قانون سے بچتے پھرتے رہنے میں بھی زندگی جہنم بن جاتی ہے! کچھ سمجھی ہو؟"

"وعدہ معاف گواہ بن کر تم باعزت زندگی گزار سکو گی۔"

"لیکن میں یہ تو نہیں جانتی کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"یقیناً وہ فیکٹری غیر قانونی طور پر قائم کی گئی ہے ورنہ اتنی رازداری کی کیا ضرورت تھی؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"جب آدمی ایسی ذہنی کیفیت میں مبتلا ہو تو پھر اسے دوسروں پر اعتماد کرنا چاہیے۔"

"میں کیا کروں؟"

"مجھ پر اعتماد کرو۔ حتی المقدور تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچنے دوں گا۔"

اتنے میں بوڑھا جینڈ پھر کمرے میں واپس آ گیا۔

"ہاں تو پھر... چلو... میں تم لوگوں کو وہاں تک پہنچا دوں۔"

"کہاں تک؟" ظفر نے پوچھا۔

"جہاں سے وہ لوگ تمہیں سردار گڑھ لے جائیں گے۔" جینڈ نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ظفر کو الگ لے جا کر کچھ کہنا چاہتا ہو۔ ظفر اس کے پیچھے باہر چلا آیا۔

"کیا بتایا اس نے؟" دفعتاً جینڈ نے اس کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔"

"مطلب یہ کہ اُسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچا؟"

"پہنچا بھی ہو گا تو مجھے کیوں بتائے گی؟"

"ہوں... اوں!" وہ پُرتشویش انداز میں سر ہلا کر رہ گیا پھر بولا۔ "بہتر ہو گا کہ تم لوگ جلد از جلد یہاں سے چلے جاؤ، پتا نہیں وہ کون ہیں اور تم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اب وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں نقدی تو پہلے ہی چھین چکے تھے۔"

"لڑکی یہاں سے جانے پر کیوں رضامند نہیں؟"

"یہ بھی میں نہیں جانتا! میرے خیال سے خائف ہے۔ سوچتی ہو گی کہیں راستے میں پھر ان سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔"

بات یہیں ختم ہو گئی تھی۔ ظفر نے تھیلما کو بتایا تھا کہ بوڑھا رجینڈر بھی خائف معلوم ہوتا ہے اور نہیں چاہتا کہ اب ہم لوگ یہاں ٹھہریں۔

"ہمیں دن کے اجالے میں سردار گڑھ نہیں پہنچنا چاہیے۔" تھیلما بولی۔

"تم چلو تو میں اس کا بھی انتظام کر دوں گا۔"

پھر بوڑھے رجینڈر نے انھیں جیپ میں بٹھایا تھا اور اسی راستے سے ان کی روانگی ہوئی تھی جس سے اس مکان تک پہنچے تھے۔ جیپ میں کلارا بھی موجود تھی۔ اس نے ان کی جلد روانگی پر کئی بار افسوس ظاہر کیا تھا۔

"وہ آدمی قابل اعتماد ہے۔" رجینڈر بولا۔

"کون آدمی؟" ظفر نے پوچھا۔

"جو سردار گڑھ تک تمھیں پہنچائے گا۔ وہاں تم بس رک کر کاروں کا انتظار کرنا۔"

"کاروں؟"

"ہاں... چھوٹے چھوٹے کارواں ہر وقت ہی گزرا کرتے ہیں!"

"پیدل؟" ظفر نے ہکلا کر پوچھا۔ "کیا ہمیں پیدل چلنا پڑے گا؟"

"ضروری نہیں۔ ان کے ساتھ خچر بھی ہوتے ہیں!"

"اتنا طویل سفر...!" تھیلما خوف زدہ لہجے میں بولی۔

"مجھ سے تو ممکن نہیں۔"

"اس سے زیادہ تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔" رجینڈر نے کہا۔ جیپ اونچے راستے پر چلتی رہی۔

"وہ دیکھو!" کچھ دور چلنے کے بعد رجینڈر نے کہا۔ "وہ آدمی وہاں کھڑا ہے۔"

"وہ تو کافی اونچائی پر ہے۔"

"ہاں آں! راستہ دوسری طرف ہے۔" رجینڈر نے کہا اور گاڑی روک دی۔

ظفر حیرت سے اسے دیکھتا رہا کیونکہ اب اس کے لہجے میں پہلا سا تپاک نہیں رہا تھا۔

"جلدی کرو اتر جاؤ مجھے جلدی ہے۔ خدا حافظ!"

ظفر اور تھیلما نے بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ کلارا ابھی کچھ نہیں بول رہی تھی۔

بالآخر وہ دونوں گاڑی سے اتر گئے اور رجینڈر نے انھیں خدا حافظ کہتے ہوئے گاڑی موڑ دی۔

دونوں ہی دور ہوتی ہوئی جیپ کو بے بسی سے دیکھتے رہے پھر جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ چٹان پر کھڑے ہوئے آدمی کی طرف متوجہ ہوئے۔ لباس سے مقامی ہی معلوم ہوتا تھا۔ بلندی زیادہ نہیں تھی۔ وہ بآسانی اس تک پہنچ سکتے تھے۔ تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد ظفر نے محسوس کیا کہ وہ انھیں حیرت سے دیکھ رہا ہے۔

اوپر اس کے قریب پہنچ کر ظفر نے پوچھا: "ہمیں کتنی دیر انتظار کرنا پڑے گا؟"

وہ کچھ نہ بولا لیکن اس کی آنکھوں کے سوالیہ انداز سے ظفر کو وحشت سی ہوئی تھی۔ اس نے پھر اپنا سوال دہرایا اور پھر تو ان کے پیروں تلے سے زمین ہی نکل گئی تھی۔

وہ بولا تھا لیکن حلق سے بے ہنگم سی آوازیں نکل کر رہ گئی تھیں۔ وہ گونگا تھا اور قطعی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان کے بارے میں کچھ جانتا ہے کیونکہ اس کی آنکھوں کا متحیرانہ انداز بدستور قائم تھا۔ انھوں نے نیچے ڈھلان میں کچھ بھیڑیں بھی چرتی دیکھیں۔

"چوٹ ہو گئی!" ظفر کراہا۔

"کیا مطلب؟" تھیلما بہت زیادہ بوکھلا گئی تھی۔

"وہ ہمیں دھوکا دے گیا۔ یقین کرو کہ وہ بھی عمران ہی کا کوئی آدمی تھا اور یہ ڈراما اسی لیے اسٹیج کیا گیا تھا کہ تم سے کارخانے کا پتا معلوم کر لیا جائے!"

تھیلما سر تھامے ہوئے وہیں ایک پتھر پر بیٹھ گئی گونگا انھیں حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔

"اب کیا کریں۔ کدھر جائیں؟" ظفر کچھ دیر بعد بولا۔

آہستہ آہستہ دن ڈھلتا جا رہا تھا۔

"بوڑھا سخت مردود ثابت ہوا۔" تھیلما بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"اب اسے گالیاں دینے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

"پھر کیا کریں؟" تھیلما جھنجھلا گئی۔

"ٹھہرو... میں کوشش کرتا ہوں کہ اس گونگے سے کچھ معلوم کروں۔"

پھر وہ ہاتھ ہلا ہلا کر اس سے اشاروں میں پوچھتا رہا تھا کہ شہر جانے کے لیے انھیں کیا کرنا پڑے گا۔

گونگا کچھ دیر بعد اسی طرح سر ہلانے لگا جیسے وہ اس کے مافی الضمیر سے آگاہ ہو گیا ہو لیکن ظفر مطمئن نہیں تھا۔

# رینڈیر

برفانی سلیج کھینچنے کے لیے دنیا میں رینڈیر سے بہتر کوئی جانور نہیں ہے۔ رینڈیر میں سو پونڈ وزنی سلیج کو ایک دن میں دس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ایک سو میل تک کھینچنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس وقت دنیا میں رینڈیر کی تعداد ۱۵ لاکھ کے لگ بھگ ہے جن میں سے اکثریت کا تعلق بحر الکاہل کے برفانی زون سے ہے جہاں انھیں صرف بار برداری کے لیے نہیں بلکہ خوراک، دودھ اور اس کی کھال کو بطور لباس بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

رینڈیر جس کی اوسط عمر ۱۲ سے ۱۵ سال کے درمیان ہوتی ہے "دنیا کے تیز رفتار چوپایوں میں شامل ہے۔ بوجھ کے بغیر رینڈیر ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھاگ سکتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ رینڈیر دنیا کی مشہور عالم ڈربی ریس کے ونر کو بآسانی ہرا سکتا ہے۔

انسان کے لیے رینڈیر بہت مفید جانور ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ برفانی علاقوں میں کیے جانے والے ایٹمی تجربات نے اسے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اس کا گوشت زہریلا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے کئی علاقوں میں اسے بطور غذا استعمال نہیں کیا جاتا۔

رینڈیر کے پیر بطور خاص برف پر چلنے کے لیے بنے ہیں۔ ہر پیر چار حصوں میں منقسم ہوتا ہے جن میں سے اگلے دو چوڑے اور پچھلے دو چھوٹے ہوتے ہیں۔ چلتے وقت اگلے دونوں حصے پھیل جاتے ہیں جبکہ پچھلے حصے برف میں گڑ کر اس کی گرفت مضبوط کرتے ہیں۔ مادہ رینڈیر دن میں نصف چائے کے کپ کے برابر دودھ دیتی ہے جس میں چکنائی کا تناسب بیس فی صد ہوتا ہے۔

نر رینڈیر مادہ کے حصول کے لیے باقاعدہ ڈوئل لڑتے ہیں اور پانچ سے چالیس نر رینڈیرز کو اپنے ساتھ وابستہ کر لیتے ہیں۔ انسانی دشمنوں کے علاوہ رینڈیر کو سب سے زیادہ نقصان ٹرک کے حادثات میں پہنچتا ہے۔ شمالی یورپ میں یہ سڑکوں پر نکل آتے ہیں جہاں یہ اکثر و بیشتر کسی نہ کسی حادثے کا شکار ہو کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

بہر حال وہ دونوں اس کے ساتھ چلنے لگے۔ وہ ہاتھ ہلا ہلا کر کسی قسم کے اشارے بھی کرتا جا رہا تھا لیکن وہ کچھ نہ سمجھ سکے بس چلتے رہے اس کے ساتھ۔ زیادہ نہیں چلنا پڑا تھا کہ گونگے نے رک کر ایک دراڑ کی طرف اشارہ کیا۔ یہ اتنی چوڑی تھی کہ تین چار آدمی بیک وقت اس میں داخل ہو سکتے تھے۔ گونگا ہاتھ ہلا ہلا کر غالباً یہی کہہ رہا تھا کہ انھیں اس دراڑ سے گزر جانا چاہیے پھر وہ انھیں وہیں چھوڑ کر اپنی بھیڑوں کی طرف پلٹ پڑا۔ ظفر اور تھیلما نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"آؤ..." ظفر نے تھیلما کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دراڑ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"لیے چلے مجھے؟" تھیلما ہچکچائی۔

"چلو بھئی، تم تو ویسے بھی میوری کے ساتھ لگنا نہیں چاہتیں!"

وہ دونوں دراڑ میں داخل ہوئے۔ شاید بیس یا تیس گز کے فاصلے پر دراڑ کا اختتام ہوا تھا۔

دوسرے سرے پر پہنچتے ہی تھیلما کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔

"کیا بات ہے؟"

"وہ دیکھو!" اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "سردار گڑھ کا ریلوے اسٹیشن!"

"کہاں؟ اوہ... بوڑھا واقعی خبیث تھا۔ تو گویا ہم سردار گڑھ ہی میں رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں سے اس کا مکان زیادہ سے زیادہ پانچ میل کے فاصلے پر ہو گا۔"

یک بیک تھیلما بہت زیادہ سست پڑ گئی۔ پہلے چہرے کی بشاشت کا نام و نشان تک چہرے پر نہیں تھا۔

یہ فوری تبدیلی ظفر نے محسوس کی لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ جانتا تھا اس کی وجہ۔ تھیلما میوری کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ دونوں بالآخر سڑک پر آ گئے۔ یہاں سے کوئی ٹیکسی یا رکشا انھیں شہر تک پہنچا سکتا تھا۔

تھیلما کچھ دور چل کر رک گئی۔ ظفر بھی رک گیا، وہ عجیب انداز میں اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" ظفر مسکرایا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ چلو! میں نے اسکیم بدل دی ہے اب ہم میوری تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔" تھیلما بولی۔

"کیوں؟"

"ہو سکتا ہے میرے اندیشے غلط ہوں۔"

"سوال یہ ہے کہ اندیشے پیدا ہی کیوں ہوئے تھے؟"

"میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ ہم دونوں ہی فی الحال مسٹر میوری کے دست نگر ہیں۔"

"میں تو اب لعنت بھیجتا ہوں مسٹر میوری پر۔"

"غیر دانشمندانہ حرکت ہوگی۔ ہم کیوں نہ اسے مل کر ماریں۔ یہ تو سوچو! اگر تم اس کی مالی امداد سے محروم ہو گئے تو اس ہوٹل میں کیونکر قیام کر سکو گے۔ یہ ضروری نہیں کہ تمہارے معیار کے مطابق تمہیں کوئی دوسری ملازمت فوری طور پر مل جائے۔"

"لیکن اگر اس دوران میں عمران کی طرف سے کوئی حرکت ہو گئی تو؟"

"دیکھا جائے گا۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میں کتنی باصلاحیت ہوں۔"

ظفر سوچ رہا تھا کہ اب اسے کس پر اعتماد کرے۔ یاد کرے ان حالات سے گزرنے کے بعد خود اس پر تھیلما کا اعتماد ختم ہو جانے کا امکان تھا۔ وہ اسے عمران ہی کا آدمی سمجھ سکتی تھی۔

ویران گرجے کی عمارت قبرستان ہی کی حدود میں تھی۔ اب وہاں عبادت نہیں ہوتی لیکن تدفین کے لیے آنے والے کچھ دیر وہاں بیٹھ کر اپنی تھکن ضرور اتارتے تھے۔

یہ گرجا انگریزوں کے دورِ حکومت کی یادگار تھا اور قبرستان میں زیادہ تر انگریز فوجی دفن تھے۔ مقامی عیسائی آبادی اپنے مُردوں کی تدفین اس قبرستان میں بھی کرتی تھی۔

ویسے مقامی آبادی کے لیے دوسرا قبرستان مخصوص تھا۔ گرجے کی دیکھ بھال کے لیے ایک آدمی بھی یہاں رہتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ لوگ کچھ دنوں کے لیے اپنے تابوت گرجے میں رکھ جاتے اور کئی دنوں کی رسومات کے بعد ان کی تدفین ہوتی۔ ایسے تابوتوں کے لیے گرجے کا ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا تھا جس میں تابوتوں کے نگران بھی قیام کرتے لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔

ایسا ہی ایک تابوت آج بھی آیا تھا اور ایک بوڑھی یوریشین عورت اس کے نگران کی حیثیت سے وہاں مقیم تھی۔

گرجے کے محافظ نے اُسے اطمینان دلایا تھا کہ وہ خود بھی رات بھر اس کے پاس موجود رہے گا اور اسے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے گی۔

"یہ ایک مجبوری ہے!" بوڑھی عورت ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "ہمارا بیٹا یہاں موجود نہیں ہے۔ مجھے اس کا انتظار ہے۔ اس کے آئے بغیر تدفین ممکن نہیں۔ گھر پر لاش رکھ نہیں سکتے کیونکہ پڑوسیوں میں اس کا رواج نہیں ہے۔"

"آپ اطمینان سے قیام کیجیے!" بوڑھا محافظ ہاتھوں سے سینے پر کراس بنا کر بولا۔ "اس آواز کی طرف سے کوئی اپنے کان نہیں بند کر سکتا۔ ایک دن مجھے بھی اسی آواز پر لبیک کہنا ہے۔ میں فادر میوریل سے کہوں گا کہ وہ تابوت پر جھک کر مُردے کے لیے دعا کریں۔"

"اوہ کیا یہاں کوئی فادر بھی ہیں۔ میں نے تو سنا تھا کہ یہ چرچ بالکل ویران رہتا ہے؟"

"وہ بڑے عبادت گزار ہیں۔ رات کو یہیں عبادت کرتے ہیں۔ اس چرچ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہاں کے پُرسکون ماحول میں وہ ایک کتاب بھی لکھ رہے ہیں۔"

"تو کیا۔۔۔ یہیں۔۔۔ اسی جگہ؟"

"جی ہاں! وہ سامنے والا کمرہ۔ لیکن آپ ان کی موجودگی سے تقویت ہی محسوس کریں گی۔ آپ محسوس کریں گی کہ آپ کا غم ہلکا ہو گیا ہے۔"

بوڑھی عورت خاموش ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگی تھیں لیکن زندگی سے بھرپور معلوم ہوتی تھیں۔ اس نے تابوت کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں روشنی ناکافی ہے؟" محافظ نے کہا۔ "میں کچھ موم بتیاں اور لاؤں؟"

* * *

تھیلما ظفر کو ساتھ لیے مسٹر میوری کی مختلف قیام گاہوں میں بھٹکتی پھری تھی لیکن وہ ابھی تک تو نہیں مل سکا تھا۔

تھیلما نے مختلف ٹھکانوں پر ان تینوں کے متعلق بھی پوچھ گچھ کی تھی جنہیں غار میں چھوڑا تھا لیکن ہر جگہ سے یہی اطلاع ملی کہ وہ تقریباً ایک ہفتے سے وہاں نہیں دیکھے گئے۔

اندھیرا پھیل گیا اور وہ کھانے کے لیے ظفر کے اقامتی ہوٹل میں آئے۔ جمی بہت زیادہ بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے ظفر کو بتایا کہ مسٹر میوری کے آدمی اسے کئی بار پوچھ چکے ہیں اور ان کے تیور اچھے نہیں معلوم ہوتے۔

ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔ جمی نے آگے بڑھ کر دروازے کا بولٹ گرایا، ایک آدمی اندر گھس آیا۔

"اوہ۔۔۔ مادام۔۔۔!" وہ دروازے کے قریب ہی ٹھٹک گیا۔

"باس کہاں ہے؟" تھیلما نے اس سے پوچھا۔

"ان کے کہیں ہونے نہ ہونے کے بارے میں تو آپ ہی جانتی ہوں گی لیکن وہ ہم سے کئی بار فون پر آپ کے متعلق پوچھ چکے ہیں۔"

"اچھی بات ہے تم جا سکتے ہو۔ میں ان لوگوں کی دیکھ بھال کر رہی ہوں۔"

وہ چلا گیا۔

جمی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"پہلے ہم کھانا کھائیں اس کے بعد پھر اور کچھ ہوگا۔" ظفر بولا۔

جمی نے وہیں سے فون کر کے کھانا طلب کرنا چاہا لیکن تھیلما بولی۔ "نہیں۔۔۔ تم خود نیچے جاؤ اور کھانے کے لیے کہو۔"

جمی ظفر کو گھورتا ہوا باہر چلا گیا اور تھیلما دروازہ بولٹ کر کے ظفر کی طرف مڑی۔

ظفر نے پھر اس کے چہرے پر اجنبیت سی محسوس کی۔

"جب وہ کہیں نہ مل سکے تو پھر وہیں ملتا ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"کہاں؟" ظفر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم یہاں کی جھیلوں کے نام سے واقف ہو؟" تھیلما نے جھنجھلا کر سوال کیا۔

ظفر نے انکار میں سر ہلایا اور وہ بولی۔ "بس کھانے کے بعد وہیں چلیں گے اور میں کافی تھکن محسوس کر رہی ہوں۔"

وہ آرام کرسی پر نیم دراز ہو گئی۔

ظفر نے بے چینی سی محسوس کی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے تھیلما میں کوئی فوری تبدیلی ہوئی ہو۔

کھانے کے بعد وہ باہر نکلے تھے۔ جمی مُصر تھا کہ وہ بھی ان کے ساتھ جائے گا لیکن تھیلما اس پر تیار نہ ہوئی۔

اس نے میوری کی ایک قیام گاہ سے کار بھی فراہم کی تھی اور خود ہی اُسے ڈرائیو کر رہی تھی۔

ظفر خاموش تھا جیسے سمجھ رہا تھا کہ وہ کسی بڑی دشواری میں پڑنے والا ہے۔

"کیا تم اعتراف کر لو گی کہ عمران تم سے ان کا کوئی راز معلوم کر چکا ہے؟" بالآخر ظفر نے اس سے پوچھا۔

"یقیناً! اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ مجھے سب کچھ بتانا پڑے گا ورنہ میں اپنی غیر حاضری کا کیا جواز پیش کروں گی۔"

"اچھی طرح سوچ لو۔ اسے تم بخوبی جانتی ہو گی۔"

"بس یہی ایک صورت ہے۔ ورنہ الجھ کر رہ جاؤں گی۔ موت گوارا ہے لیکن ذہن پر کوئی بار لے کر جینا میرے بس سے باہر ہے۔"

"تو پھر قانون کی طرفدار بن جاؤ۔"

"قانون! قانون مجھ سے جرم کی نوعیت پوچھے گا لیکن میں اس سے واقف نہیں۔"

"تو جو جی چاہے کرو۔" ظفر طویل سانس لے کر بولا۔ "میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن اس دوا ساز فیکٹری کی ملازمت مجھے منظور نہیں۔"

"ہم دونوں ہی کو اس جنجال سے نکلنا ہے۔"

کار ایک سنسان سڑک پر تیز رفتاری سے مسافت طے کر رہی تھی۔ شہری آبادی پیچھے رہ گئی تھی۔

بالآخر ایک جگہ تھیلما نے گاڑی روک دی۔ یہاں ہر طرف گھپ اندھیرا تھا۔ تھیلما نے ظفر کو نیچے اترنے کو کہا اور خود بھی گاڑی چھوڑ دی۔

جہاں گاڑی چھوڑی تھی وہاں سے تھیلما کے بیان کے مطابق کچھ دور پیدل بھی چلنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی ظفر نے محسوس کیا کہ وہ کسی قبرستان میں چل رہا ہے۔ ایک جانب روشنی نظر آئی جو غالباً کسی عمارت کی چند کھڑکیوں سے پھوٹ رہی تھی۔

وہ اسی جانب بڑھتے رہے۔

عمارت کا بیشتر حصہ تاریکی میں تھا۔ ساخت کے اعتبار سے وہ کوئی گرجا ہی ہو سکتا تھا۔

"کون ہے؟" کسی نے انہیں ٹوکا اور پھر تیز قدموں سے چلتا ہوا ان کے قریب پہنچا۔ اندھیرے کی بنا پر ظفر اس کی شکل نہ دیکھ سکا۔

"فادر میوریل سے ملنا ہے۔" تھیلما بولی۔

"وہ تو ابھی تشریف نہیں لائے۔" آنے والے نے جواب دیا۔

"ہم ان کا انتظار کریں گے۔"

"یہ بالکل نئی بات ہوگی۔" وہ آدمی بڑبڑایا۔ "ابھی تک ایسا نہیں ہوا۔"

"انھوں نے مجھے اجازت دے رکھی ہے۔" عقیلہ بولی۔

"اچھی بات ہے۔ تو چلیے۔"

وہ ایک بڑے سے کمرے سے گزرتے ہوئے دوسرے کمرے میں آئے۔ بڑے کمرے میں انھیں ایک عمر رسیدہ عورت دکھائی دی تھی اور ایک تابوت بھی نظر آیا تھا۔

ظفر ایک عجیب الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ بوڑھے آدمی نے کہا۔ "آپ لوگ یہیں بیٹھیں۔ وہ یہیں عبادت کرتے ہیں۔" پھر وہ انھیں وہیں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

"یہ فادر میوریل...؟" ظفر نے کہا لیکن وہ ہاتھ اٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی۔ "تم یہاں صرف سنو گے خود کچھ نہیں بولو گے۔"

ظفر نے بے بسی سے سر کو جنبش دی۔

اس کمرے میں موم بتیاں روشن تھیں اور ماحول کچھ ایسا تھا کہ حیات بعد الممات کے علاوہ اور کسی چیز کا دھیان نہیں آ سکتا تھا۔ کچھ عجیب سی بو فضا میں رچی بسی تھی۔ عقیلہ کے چہرے پر اسے سکون ہی نظر آیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ ماحول اس کے لیے نیا نہ ہو۔

وہ تن بہ تقدیر ہو بیٹھا۔

پندرہ یا بیس منٹ بوجھل سی خاموشی میں گزرے تھے، اور پھر پردہ ہٹا کر ایک لحیم شحیم پادری ڈھیلے ڈھالے لبادے میں ملبوس اندر داخل ہوا تھا۔

ظفر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یہ میوری یا فادر میوریل تھا۔

"کیا مطلب؟" وہ دروازے کے قریب ہی رک کر انھیں گھورتا ہوا غرایا۔

"ہم سب خطرے میں ہیں مسٹر میوری!" عقیلہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

وہ تیزی سے چلتا ہوا ان کے قریب آ گیا اور عقیلہ نے مشینی انداز میں اپنی کہانی سنانی شروع کر دی۔ ظفر بُت بنا کھڑا رہا۔ میوری بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ کبھی اس کی آنکھیں ظفر کے چہرے پر جم جاتیں اور کبھی عقیلہ کی طرف دیکھنے لگتا۔

عقیلہ کے خاموش ہونے پر اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔ "تو تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"یہی... یہی... کہ... کو... کہ آپ ہوشیار ہو جائیں۔"

عقیلہ ہکلائی۔ "اگر وہ مجھ پر یقین نہ چھوڑتا تو... میں..."

"ختم کرو۔ میں تو چاہتا ہوں کہ وہ وہاں پہنچنے کی کوشش کرے۔"

ظفر نے عقیلہ کے چہرے پر اطمینان کی لہریں دیکھیں۔

دفعتاً وہ ظفر کی طرف مڑا اور اسے گھورنے لگا اور عقیلہ بولی۔ "تو آپ بھی اسی نتیجے پر پہنچے؟"

"کس نتیجے پر؟" میوری نے اس کی طرف مڑ کر سرد لہجے میں پوچھا۔

"یہ شخص۔" وہ ظفر کی طرف ہاتھ اٹھا کر پرجوش اور تنفر آمیز انداز میں بولی۔ "اس کے ساتھیوں ہی میں سے معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ غلط ہے جو اس نے!" ظفر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"جوش میں نہ آؤ... بیٹھ جاؤ۔" میوری نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"ہمیں ڈاکٹر ریمنڈ کے جھونپڑے سے پرہیز کرنا چاہیے۔" عقیلہ بولی۔

"حماقت... وہ اب سنسان پڑا ہوگا۔"

اس کے بعد کوئی کچھ نہ بولا۔

ظفر کی بے اطمینانی بڑھ گئی تھی لیکن اس نے اپنے چہرے سے اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔

یہ خاموشی ذرا ہی سی دیر میں اُسے بے حد زہریلی لگنے لگی اور اس نے کھنکار کر کہا۔ "میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

دفعتاً باہر سے آواز آئی۔ "فادر! کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"

"آ جاؤ۔" میوری پُر وقار اور گونجیلی آواز میں بولا۔

وہی آدمی اندر داخل ہوا جس نے ظفر اور عقیلہ کو اس کمرے تک پہنچایا تھا۔

"فادر!" اس نے بڑے ادب سے کہا۔ "آپ نے ایک تابوت دیکھا ہوگا۔ عورت کے اعزہ آ گئے ہیں اور وہ اسی وقت تدفین کرنا چاہتی ہے۔"

Plz. Donot forget me whenever you found any new
ibne Safi Imran Series. mimranmalik@gmail.com 29/12/07

"سروس۔"

"ہاں فادر۔"

"چلو۔" وہ اٹھتا ہوا بولا اور ان دونوں کو وہیں بیٹھنے کو کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

لیکن ابھی پردہ بھی نہیں ہٹایا گیا تھا کہ دوسری طرف سے ایک چیخ سنائی دی۔ میوری نے ایک جھٹکے کے ساتھ پردہ ہٹا دیا۔

"فادر... فادر...!" بوڑھی عورت چیختی ہوئی اس کی طرف دوڑی اور قریب آ کر لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے بچی۔

ظفر اور عقیلہ بھی اسی بڑے کمرے میں آ گئے تھے جہاں تابوت رکھا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے... کیا بات ہے؟" میوری نے بوڑھی سے پوچھا۔

"وہ... وہ... فادر...!" اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ اس کا ہاتھ تابوت کی طرف اٹھا ہوا تھا۔

دفعتاً تابوت کا ڈھکن تھوڑا سا اٹھا اور پھر ویسی ہی چیخ اس میں سے برآمد ہوئی جیسی پہلے گونجی تھی۔

"ہٹو سامنے سے!" میوری نے بوڑھی کو ایک طرف جھٹک دیا اور خود اچھل کر تابوت پر جا چڑھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ تابوت کے ڈھکن کو اس کی جگہ روکے رکھنا چاہتا ہو۔ پوری قوت سے اس پر چپک گیا تھا۔

ایک بار چیخ پھر ابھری اور میوری تابوت کے ڈھکنے سمیت دوسری طرف جا پڑا۔

مردہ تابوت میں کھڑا ہو گیا تھا۔

"اوہ...!" عقیلہ اور ظفر کی زبان سے بیک وقت نکلا۔ "ڈاکٹر ریمنڈ!"

"کیا... ڈاکٹر ریمنڈ...!" میوری حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "کون ڈاکٹر ریمنڈ؟"

وہ اٹھ گیا تھا اور بری طرح ہانپ رہا تھا۔

"ڈاکٹر ریمنڈ!" عقیلہ جلدی جلدی بولنے لگی تھی۔ "وہی ڈاکٹر ریمنڈ جس نے ہمیں کل اپنے جھونپڑے میں پناہ دی تھی۔"

"خبردار!" میوری کی آواز کمرے میں گونجی۔ "اگر کسی نے بھی کمرے سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔" اس نے ریوالور نکال لیا تھا۔

گرجے کے محافظ کا منہ حیرت سے کھل گیا لیکن اس نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ بوڑھی عورت میوری کو گھورے جا رہی تھی اور ڈاکٹر ریمنڈ اب بھی تابوت ہی میں کھڑا ہوا تھا لیکن انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس پوری چوئیشن سے کوئی تعلق ہی نہ رکھتا ہو۔

دفعتاً میوری پھر بولا۔ "عقیلہ اگر ظفر سے متعلق اپنے شبہ کی تصدیق کرنا چاہتی ہو تو اس سے کہو کہ ڈاکٹر ریمنڈ کے ہاتھ باندھ دے۔"

"نہیں!" ڈاکٹر ریمنڈ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس کی ضرورت نہیں۔ میں تو عمران کا قاصد ہوں۔ اس کا ایک پیغام ہے تمہارے لیے۔ وہ تم سے ملنا چاہتا تھا اور تم بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔"

"کیا مطلب؟"

"کل ہی اسے معلوم ہوا ہے کہ تم یہاں بھی مل سکتے ہو۔"

لہٰذا یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا۔"

"وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟"

"محض یہ بتانے کے لیے کہ تمہارا باس ایکسٹو اپنی آزادی کھو بیٹھا ہے اور اب تھریسیا کی قید میں ہے۔"

"یہ بکواس ہے۔"

"یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ لفٹ رائٹ والے کوڈ میں اب بھی پیغامات وصول کر رہے ہو۔"

ظفر نے رچینڈ کے اس جملے پر میوری کو چونکتے دیکھا۔ پھر یک بیک اس کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ بھیانک نظر آنے لگا اور اس نے غرا کر کہا: "ظفر! اس کے ہاتھ اس کی پشت پر باندھ دو۔ یہ ایک بہت بڑے دشمن کا آدمی ہو سکتا ہے۔ عمران سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا ہے عمران اس کی بھی فکر میں ہو۔"

"میں ڈاکٹر رچینڈ... تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ اگر اسی کی طرف تمہارا اشارہ ہے۔" رچینڈ نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"ظفر! میں نے کیا کہا تم سے؟" میوری پھر دہاڑا۔

"مسٹر میوری...!" دفعتاً ظفر سینہ تان کر بولا: "میں تمہاری کسی غیر قانونی حرکت کا شریک نہیں بن سکتا۔"

"اچھا تو پہلے تم ہی جاؤ!" میوری نے دانت پیس کر کہا لیکن قبل اس کے کہ وہ ریوالور کا ٹریگر دباتا ریوالور ہی اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ رچینڈ نے تابوت سے چھلانگ لگائی تھی اور اس کے ہاتھ سے ریوالور جھپٹتا ہوا دوسری طرف نکل گیا لیکن اتفاق سے وہ اس کے ہاتھ سے بھی گر گیا تھا۔

ظفر حیران رہ گیا بوڑھے کی پھرتی پر۔

پھر شاید تھیلما ریوالور ہی اٹھا لینے کے لیے جھپٹی تھی کہ ظفر نے اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے اور وہ ایک چیخ کے ساتھ پلٹ کر اس سے لپٹ پڑی۔

ادھر رچینڈ اور میوری کے درمیان ریوالور کے حصول کے لیے زور آزمائی شروع ہو چکی تھی۔

گرجے کے ناظم نے برابر والے کمرے میں گھس کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ وہ بہت زیادہ دہشت زدہ نظر آ رہا تھا۔

تھیلما ذرا ہی سی دیر میں ظفر کے لیے مصیبت بن گئی اگر ذرا بھی ڈھیلا پڑا ہوتا تو وہ اسے گرا کر چڑھ ہی بیٹھتی، الجھے چہرے پر اس کے ناخنوں نے بڑی بڑی خراشیں ڈال دی تھیں۔

وہ اس بُری طرح اس میں الجھا تھا کہ بڑی دیر تک میوری اور رچینڈ کی طرف توجہ دینے کی بھی مہلت نہ مل سکی تھی۔ تھیلما کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح ظفر کی گردن اس کے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں آ جائے۔

ظفر دماغ ٹھنڈا رکھ کر اس سے صرف اپنا بچاؤ کر رہا تھا۔ خود کسی قسم کے تشدد کا مظاہرہ نہیں کر سکا تھا۔

بہر حال اسے اس جنجال سے کسی طرح نجات حاصل کرنی ہی تھی اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب تک کہ وہ ہوش میں تھی۔

وہ بُری طرح کانپ رہی تھی، تھک بھی چکی تھی لیکن ہاتھ مشینی طور پر چل رہے تھے۔

دفعتاً ظفر مشتعل ہو گیا پھر جو ایک اُلٹا ہاتھ جھٹکے منہ پر پڑا ہے تو اچھل کر دور جا پڑی۔ سر دیوار سے ٹکرایا تھا اور وہ دھم سے فرش پر چلی آئی تھی۔

اس کے بعد پتا نہیں اس نے بے حس و حرکت ہی پڑے رہنے میں عافیت سمجھی تھی یا سچ مچ بے ہوش ہو گئی تھی۔

ادھر رچینڈ اور میوری کے درمیان اب بھی ریوالور ہی کے لیے زور آزمائی جاری تھی۔ ریوالور رچینڈ کی گرفت میں تھا اور میوری اُسے چھین لینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ ظفر متحیر تھا اس بوڑھے کی جی داری پر... اس عمر میں اور میوری جیسا گینڈا سمجھا جا رہا تھا لیکن ریوالور اس کی گرفت سے نہ نکلنا تھا نہ نکلا۔ اسی دوران میں بوڑھے رچینڈ نے اسے کمر پر لا کر دے پٹخا۔ ایک فائر ہوا اور بائیں جانب والی دیوار کا پلاستر اُدھڑ گیا۔

فائر کے ساتھ ہی ریوالور بھی رچینڈ کے ہاتھ سے نکل گیا ہو سکتا تھا کہ اس نے اس حد تک چلے جانے کے بعد خود ہی اُسے چھوڑ دیا ہو۔

ظفر نے بوڑھی عورت کو ریوالور اٹھاتے دیکھا۔ وہ ذرہ برابر بھی ہراساں نہیں معلوم ہوتی تھی۔

ڈاکٹر رچینڈ نے میوری کو زمین پر گرا کر بُری طرح جکڑ لیا تھا۔ ظفر کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ یقین نہیں آتا تھا کہ میوری جیسا دیو پیکر اس سال خوردہ بوڑھے کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گیا ہے۔

"م... میں...!" میوری کی گھٹی گھٹی سی آواز سنائی

دی "میں عمران سے ملنے کے لیے تیار ہوں۔"

رچینڈ اسے چھوڑ کر ہٹ گیا۔ کچھ عجیب سا ماحول لگ رہا تھا۔ ظفر کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی ڈراؤنا اور بے سروپا خواب دیکھ رہا ہو۔

میوری اٹھ گیا تھا پھر بہر حال بھبھوکا ہو رہا تھا اور سانس بڑی تیزی سے چل رہی تھی شاید سانس ہی پر قابو پانے کے لیے بار بار نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیتا تھا۔

"م... مجھے لے چلو اس کے پاس!" وہ خونخوار لہجے میں بولا۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں میوری!" رچینڈ نے مسکرا کر کہا: "تم اتنی دیر کی مہلت چاہتے ہو کہ اپنے آدمیوں کو یہاں کی صورت حال سے آگاہ کر سکو۔"

دفعتاً میوری نے پھر رچینڈ پر چھلانگ لگا دی لیکن رچینڈ بہت زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ اس نے بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر ایسی ٹانگ ماری کہ میوری تیورا کر بائیں کروٹ گرا اور پھر فوری طور پر نہ اٹھ سکا۔

رچینڈ اب ظفر کی طرف دیکھ رہا تھا پھر اس کی نظر تھیلما کی طرف اٹھ گئی اور اس نے ظفر سے پوچھا: "کیا گلا گھونٹ کر مار دیا؟"

"نہیں ڈاکٹر رچینڈ، تم لوگ بے خدا معلوم ہو۔ مجھے زندگی سے پیار ہے چاہے وہ کسی کی بھی کیوں نہ ہو۔"

"واہ... واہ! بہت اچھے آدمی ہو تم۔" ڈاکٹر رچینڈ ہنس پڑا۔ ظفر کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔

میوری پھر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا لیکن شاید اب کھڑے ہو جانے کی سکت اس میں نہیں رہ گئی تھی۔

اچانک رچینڈ اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا: "تم پوری طرح میرے قبضے میں ہو میوری... باہر میرے آدمی موجود ہیں۔ عمران تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ چلو اور میوری کسی تحویل کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"بوکنر! بہت جلد تمہارا خاتمہ کر دے گا۔" میوری پھٹی پھٹی سی آواز میں بولا۔ اس کی باچھوں سے خون بہہ رہا تھا۔

"تم ابھی تک اس غلط فہمی میں ہو کہ میں تھریسیا کا آدمی ہوں۔" رچینڈ مسکرا کر بولا: "اچھی بات ہے، دیکھو میں کون ہوں۔"

وہ اپنے سر کی پشت پر ہاتھ لے گیا۔ سر کے گھنے سفید بالوں میں زلزلہ سا آ گیا اور پھر ظفر نے دیکھا کہ ان بالوں سمیت پورے چہرے کی کھال اُدھڑتی چلی گئی۔

میوری

میرے حالات سے بچ کر بھاگ جانے کی بے حد
خواہش تھی [illegible] وقت اور کس دن
پیدا ہوا تھا جب [illegible] میں نے اسے بتایا
کہ [illegible] ورزش سے پیدا ہوا تھا
تھا اور وہ افسردہ ہو گئی۔ میوری نام دو بچے کے
انداز میں بولا: "میں نے آپ کو کتنی بار بتایا ہوگا؟"

"عمران!" اس کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

بالکل ایسا ہی لگا تھا جیسے عمران کے چہرے سے رچینڈ کا چھلکا اتر گیا تھا۔ میوری نے اٹھنا چاہا لیکن عمران ہاتھ اٹھا کر پُرسکون لہجے میں بولا: "بیکار ہے۔ خود کو پوری طرح میرے حوالے کر دو۔ ساری عمر جیل میں پڑے رہنے کے لیے تمہاری کیمیکل فیکٹری ہی کافی ہے لیکن اگر ظفر نہ ملتا تو شاید ہم اپنا یہ گندا کام جاری رکھتے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بازار میں زہریلی ادویات بھی تمہاری ہی پارٹی پھیلا رہی ہے۔"

"زہریلی ادویات؟" ظفر اچھل پڑا۔

"ہاں... میرے دوست!" عمران گمبھیر لہجے میں بولا۔ "یہ ایک بین الاقوامی فراڈ تھا۔ ہمارے ایک دوست ملک نے ہمیں کچھ ضروری ادویات تحفتاً بھیجی تھیں۔ انھیں عوام کی سہولت کے لیے بازار میں لایا گیا تھا۔ اچانک ان کے استعمال سے غلط نتائج برآمد ہونے لگے۔ جب ان کا تجزیہ کیا گیا تو وہ زہریلی ثابت ہوئیں۔ اس دوست ملک کو مطلع کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ بھی گم سم تھا اس معاملے میں۔ بہر حال یہ حرکت اس لیے ہوئی تھی کہ اس دوست ملک سے ہمارے تعلقات بہتر ہو جائیں۔"

"لیکن زہریلی ادویات!" ظفر نے کہا لیکن جملہ پورا نہ کر سکا کیونکہ عمران نے ہاتھ اٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی تھی: "یہ لوگ اپنی زیر زمین فیکٹری میں انھیں ادویات کی نقل تیار کر کے بازار بھیج رہے تھے۔ ان کے ایجنٹ اصلی ادویات بازار... سے غائب کرنے کا کام انجام دے رہے تھے۔"

"تم اس فیکٹری کا پتا معلوم کر ہی چکے ہو، جاؤ اسے تباہ کر دو۔" میوری پاگلوں کی طرح چیخا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" لہجہ اب بھی جارحانہ تھا۔

"تم مجھے شوگر بینک تک پہنچا دو گے۔"

"نگ... کیا...؟" میوری بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"شوگر بینک؟" عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میں... میں نہیں جانتا۔"

"اچھی بات ہے۔ تم مجھے وہیں تک پہنچا دو جہاں ولیم ہوپکنز مقیم تھا۔"

ظفر نے دیکھا کہ میوری کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے اس نے اس کے چہرے پر خوفزدگی کے آثار نہیں دیکھے تھے۔

"تم یقین کرو!" عمران نرم لہجے میں بولا۔ "ہوپکنز تھریسیا کی قید میں ہے اور اس کی جماعت منتشر ہو چکی ہے۔ تھریسیا بڑی خاموشی سے اس کے ساتھیوں کا صفایا کر رہی ہے۔ ادھر کا رخ اس لیے ابھی تک نہیں کیا کہ میں بھی اس کی تاک میں ہوں گا۔"

پھر عمران نے اپنی اور تھریسیا کی مڈبھیڑ کی کہانی شروع کر دی۔ ظفر کے لیے یہ سب بڑی عجیب سی باتیں تھیں لیکن وہ خاموشی سے کھڑا رہا۔ حتیا بھی اب واقعی سہمی ہوئی تھی لیکن اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ خالی خالی آنکھوں سے ماحول کا جائزہ لے رہی تھی۔

عمران شوگر بینک کی کہانی ختم کر کے چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا پھر بولا۔ "میں دوستانہ فضا میں تم سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن اس فیکٹری کا جھگڑا نکل آیا ہے۔"

"اگر تمہارا بیان درست ہے تو میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا سکتا ہوں۔ رہی فیکٹری تو تم اس پر تھوپ سار سکتے ہو۔ مجھے الگ ہی رکھو اس معاملے سے۔ میں شوگر بینک تک تمہاری رہنمائی کروں گا۔"

"میں کس طرح یقین کر لوں کہ تم اپنے الفاظ پر قائم رہو گے؟"

"اگر وہ ہوپکنز پر ہاتھ ڈال چکی ہے تو میرے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ اس کے دشمنوں کا ساتھ دوں۔"

"اگر تم واقعی میرے ساتھ پُرخلوص رہ سکتے ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"جس ملک کے لیے تم فیکٹری والا کام کر رہے تھے اس کا نام بتا دو اور اپنا بیان ریکارڈ کرا دو۔"

"یہ ناممکن ہے۔"

"تو پھر میں اکیلے ہی تلاش کروں گا شوگر بینک!" عمران نے بے پروائی سے کہا۔

"یعنی... یعنی؟"

"یعنی یہ کہ اب تم ہتھکڑیاں پہنو گے۔"

"مجھے سوچنے کا موقع دو۔ ویسے اپنے خلوص کا اس طرح ثبوت ضرور دوں گا کہ تمہیں اپنی عدم موجودگی میں فیکٹری کا وہ راستہ اختیار کرنے سے روک دوں، جس کا علم حتیا کو تھا۔"

"کیوں؟"

"حتیا کو اتفاقاً ہی راستہ معلوم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد میں نے وہاں ڈائنامائٹ لگا دیا تھا۔ جس سوئچ سے دروازہ ظاہر ہوتا تھا اسی سوئچ کو ڈائنامائٹ سے اٹیچ کر دیا تھا تاکہ اگر کبھی وہ مجھے دھوکا دینے کی کوشش کرے تو خود بھی فنا ہو جائے۔"

"چلو ایک تو ثبوت ملا خلوص کا لیکن یہ ناکافی ہے۔"

"میں کہتا ہوں مجھے سوچنے کا موقع دو۔" میوری اپنی پیشانی مسلتا ہوا بولا۔

دوسری صبح ظفر کے لیے بڑی عجیب تھی۔ اب وہ عمران کے خرچ پر اسی ہوٹل میں مقیم تھا اور جمن اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اس جال سے نکل بھاگنا چاہیے۔

"ڈونٹ بی سلی جیمسن!" ظفر بولا۔ "ہمیں دوسری ملازمت مل گئی ہے اور یہ ذرا ڈھنگ کی معلوم ہوتی ہے۔"

جمن کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ جمن نے دروازہ کھول دیا اور بُرا سا منہ بناتے ہوئے پیچھے ہٹ آیا۔

اندر آنے والا عمران تھا۔ اپنی تمام تر حماقتوں سمیت! اس وقت اس کی شکل پر ویسی ہی معصومانہ بے بسی طاری تھی جیسی پہلی بار ظفر نے ٹرین پر دیکھی تھی۔

"اگر مسٹر جیمسن کی موجودگی فی الحال یہاں ضروری نہ ہو تو؟" اس نے جملہ ادھورا ہی چھوڑ کر بے وقوفوں کی طرح منہ کھول دیا۔

جمن نے اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھا اور پیر پٹختا ہوا باہر چلا گیا۔ ظفر منتظر تھا اس بات کا جس کے لیے تخلیہ کرایا گیا تھا لیکن عمران مضبوطی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے بیٹھا احمقانہ انداز میں اُسے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں بھی عشقی

کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی... میں نہیں سمجھا؟"

"میری اولاد نہیں ہے کوئی تو بیوی کہاں ہوگی۔" عمران کی آواز کچھ اور زیادہ گلو گیر ہو گئی۔ "سوچتا ہوں میرے بعد کس کی شادی ہو گی۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا جناب!"

عمران اٹھ کر اس کا چہرہ ٹٹولنے لگا کبھی گالوں کی ہڈیاں دباتا کبھی کنپٹیاں ٹٹولتا اور کبھی ٹھوڑی میں ہاتھ لگا کر منہ اوپر اٹھا دیتا۔

"تمہیں اپنا قائم مقام بنانا چاہتا ہوں۔"

"آپ ہیں کیا بلا! یہ تو بتا دیجئے؟"

"قانون کا ایک محافظ! ابھی تمہیں اس کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔"

"جی ہاں! یہ بات تو سمجھ میں آ گئی۔"

"تم سے کچھ دل سا ملتا ہے کیونکہ میں بھی تمہاری طرح بزرگوں کی ناانصافیوں کا شکار ہو چکا ہوں۔ خیر! اپنی یہ من بھاتی کہانی پھر کبھی سناؤں گا فی الحال اتنا سمجھ لو کہ تم ملازمت نہیں بلکہ انسانیت کی خدمت کرنے جا رہے ہو!"

"جی سمجھ گیا۔"

"تم میری ہی جیسی جسامت اور قد رکھتے ہو۔ چہرہ بھی ایسا ہے کہ میرا میک اپ قبول کر لے گا۔ فی الحال تمہاری ڈیوٹی یہ ہو گی کہ تم میرے میک اپ میں چند لوگوں کے ساتھ یہیں کی ایک عمارت میں قیام کرو گے۔ اداکاری کی صلاحیت بھی رکھتے ہو لہٰذا صرف ایک ہفتے کی ٹریننگ کافی ہو گی۔"

"اوہ تو آپ مجھے اپنے میک اپ میں یہاں چھوڑ کر شوگر بینک کی تلاش میں جائیں گے۔"

"کچھ ذہین بھی معلوم ہوتے ہو۔" عمران مسکرایا۔

"میں نے پچھلی رات وہ حیرت انگیز کہانی سنی تھی۔ بڑے خطرناک لوگ معلوم ہوتے ہیں۔"

"پوری انسانیت کے لیے خطرہ ہیں۔"

"مجھے خوشی ہو گی اگر آپ کے کسی کام آ سکا۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر کچھ سوچتا ہوا اُسے چبانے لگا۔

کچھ دیر بعد ظفر نے پوچھا۔ "کیا میوری آپ کی شرائط سے متفق ہو گیا ہے؟"

"ہونا ہی پڑے گا مائی ڈیئر! تم اس کی فکر نہ کرو۔ ہاں ایک بات اور کچھ دنوں یہاں تم لوگوں کے ساتھ ایک خاتون بھی ہوں گی۔ تم دل پھینک معلوم ہوتے ہو۔ ذرا احتیاط رکھنا۔ اگر کہیں تم نے میرے میک اپ میں اس سے اظہارِ عشق شروع کر دیا تو بھانڈا پھوٹ جائے گا۔"

"کیا آپ نے ابھی تک اس سے اظہارِ عشق نہیں کیا؟" ظفر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"برخوردار اگر اس قابل ہوتا تو تمہیں منتخب کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی۔ بہرحال اس معاملے میں محتاط رہنا۔"

"لیکن آپ کے آدمیوں کو بھی اس کا علم ہو گا کہ آپ کے میک اپ میں کوئی دوسرا آدمی ان کے درمیان موجود ہے۔"

"ہرگز نہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"بعض معاملات ایسے ہی ہوتے ہیں اور یہ جو تمہارے مسٹر جیمسن ہیں انہیں چلتا کرو۔"

"یہ ناممکن ہے جناب!"

"کیوں؟"

"وہ بھی میری ہی طرح بے سہارا ہے۔"

"اچھی بات ہے تو تم اسے کہیں مقیم رہنے دو۔ اس کے اخراجات پورے ہوتے رہیں گے لیکن تم اسے بتا دو گے کہ تم سردار گڑھ سے باہر جا رہے ہو اور اسے یہیں رہ کر تمہارا انتظار کرنا ہو گا۔"

"ہاں... یہ ہو سکتا ہے...!" ظفر متفکرانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"اچھا... شام کو پھر ملاقات ہو گی۔" عمران اُٹھ گیا۔